رضا اکیڈمی کا دینی، علمی، اصلاحی و ادبی مجلّہ

سالنامہ

یادگارِ رضا

۱۴۳۷ھ
۲۰۱۵ء

مؤسس: الحاج محمد سعید نوری مدظلہ العالی

مرتب غلام مصطفےٰ رضوی

رضا اکیڈمی

بہ فیض حضور مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مؤسس : الحاج محمد سعید نوری مدظلہ العالی

رضا اکیڈمی ممبئی کا دینی، علمی، اصلاحی و ادبی مجلّہ

سال نامہ

یادگارِ رضا

۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۶ء

شمارہ:۲۲

مدیر: غلام مصطفیٰ رضوی

ناشر: رضا اکیڈمی

۵۲/ڈونٹا ڈاسٹریٹ، کھڑک، ممبئی ۴۰۰۰۰۹

Ph.: (022) 66342156 www.razaacademy.com

e-mail : mumbai.razaacademy@gmail.com

آئینۂ یادگارِ رضا

اداریہ

۱ فکر رضا کی ترسیل اور ہماری ذمہ داریاں — غلام مصطفیٰ رضوی — ۳

مطالعات

۲ امام احمد رضا کی مکتوب نگاری — ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی — ۶

تفہیمات

۳ خاتم الاکابر کی بارگاہ میں اعلیٰ حضرت کا نذرانۂ عقیدت — مولانا اختر حسین فیضی مصباحی — ۱۲

۴ توضیح کلام رضاؔ: بکارِ خویش حیرانم انثنی یارسول اللہ — محمد معین الدین خان برکاتی — ۱۹

تحقیقات

۵ برادرِ اعلیٰ حضرت، مولانا شاہ محمد رضا بریلوی — محمد افروز قادری چریاکوٹی — ۲۴

۶ حسام الحرمین اور مشائخ نقشبندیہ — غلام مصطفیٰ رضوی — ۳۰

۷ پروفیسر حاکم علی نقشبندی اور امام احمد رضا — میثم عباس قادری رضوی — ۴۰

۸ محبّ رضا محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ — ڈاکٹر حامد علی علیمی — ۵۵

۹ اسلامی علوم کا فروغ اور دار العلوم منظر اسلام — غلام مصطفیٰ رضوی — ۶۰

۱۰ حضور حجۃ الاسلام کی علالت و وصال — مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی — ۶۶

نوریات

۱۱ مفتی اعظم اور علوم عقلیہ — مفتی شبیر حسن رضوی — ۹۴

۱۲ مفتی اعظم کا زُہد و تقویٰ — بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی — ۹۸

منظومات

۱۳ یا الٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو — اعلیٰ حضرت امام احمد رضا — ۱۱۷

۱۴ میں تو جاتا مجھے سرکار نے جانے نہ دیا — حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ — ۱۱۸

سفیرانِ رضویات

۱۵ علامہ نعیم الدین مرادآبادی اور ''الکلمۃ العلیاء'' — غلام مصطفیٰ نعیمی — ۱۱۹

۱۶ خلیفۂ اعلیٰ حضرت علامہ میرٹھی کا داعیانہ کردار — ڈاکٹر رضاء الرحمٰن عاکف — ۱۲۹

۱۷ ملت کے حافظ کے نام — محمد افروز قادری چریاکوٹی — ۱۳۷

۱۸ ماہ تاب چرخِ بریلی: علامہ سبطین رضا خان قادری — غلام مصطفیٰ رضوی — ۱۳۹

خدمات

۱۹ ۲۰۱۵ء میں رضا اکیڈمی کی خدمات — ادارہ — ۱۴۲

فکر رضا کی ترسیل اور ہماری ذمہ داریاں

قائد وعبقری کی خصوصیت ہے کہ وہ ہواؤں کے رُخ پر چلا نہیں کرتے۔ وہ اپنی تابندہ فکر، مضبوط قوتِ ارادی اور تدبر وحکمت سے ہواؤں کے رُخ موڑ لیا کرتے ہیں۔ بیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ تحریکات کا تھا۔ مصالحت کی سیاست نے قائدین کو استقامت کی راہ سے رُوگرداں کر دیا تھا۔ مسلم وقار لُٹ رہا تھا۔ اسلامی شعار مٹ رہے تھے۔ مشرقی تہذیب؛ مغربی تمدن میں مدغم ہو رہی تھی۔ شعائر اسلامی کو اپنے ہاتھوں مٹایا جا رہا تھا تا کہ ہندو مسلم اتحاد مضبوط ہو۔ ایسے پُرفتن اور مغلوبیت کے زمانے میں امام اہلِ سنت امام احمد رضا کی ذات تھی جسے اسلام کی فکر تھی، شریعت کا پاس تھا، شعائرِ دین کا لحاظ تھا۔

اپنا چہرہ دے کر حاصل ہونے والی آزادی غلامی سے بدتر ہے۔ آزادی کی صبح کے متلاشی یکے بعد دیگرے قومی سودے کر رہے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں ترکِ موالات نے مسلمانوں کی جائز نوکریاں چُھڑائیں۔ مسلمان مفلوک الحال ہوتے گئے۔ فرقہ پرست قومیں مستحکم ہوتی گئیں۔ فرقہ پرستوں کو قائد بنانے والے علما وسیاسی لیڈران اپنی ہی قوم کی آبرو نیلام کرتے رہے۔ ایسے دور میں تنہا امام احمد رضا نے مسلم معیشت کی تباہی کا احساس دلایا؛ جسے ترکِ موالات کی آڑ میں برباد کیا جا رہا تھا، اور معاشی استحکام کی تجاویز پیش کیں۔ جن کی تفصیلات ''تدبیر فلاح ونجات واصلاح'' اور ''**المحجة المؤتمنة فی آیة الممتحنة**'' میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ ان تحریرات کے مطالعہ سے مغلوب ذہنوں کی فرقہ پرستانہ غلامی کا راز فاش ہوتا ہے۔ ۹/دہائی قبل امام احمد رضا نے جن خدشات کا اظہار کیا تھا۔ آج ان کے اثرات خوب دیکھنے میں آ رہے ہیں۔

[۱] امام احمد رضا نے شعائرِ اسلامی کے سلسلے میں استقامت کی تلقین کی تھی۔ مسلم لیڈران نے مشرکین کی خوشی کے لیے ذبیحہ میں مصالحت کی کوششیں کیں۔ آج ملک میں ذبیحہ کے لیے قانون وضع کر کے مسلمانوں پر ضرب لگائی گئی۔ اس لیے اسلامی شعائر کے تحفظ کے لیے فکرِ رضا کی اشاعت وقت کی ضرورت ہے۔

[۲] امام احمد رضا نے مسلم تجارت پر زور دیا تھا، لاپروائی نے غیروں کو حاوی کر دیا اور آج ہم کم زور معیشت کا رونا رو رہے ہیں۔ امام احمد رضا کے معاشی اُصولوں کو اپنا کر مسلم معیشت کے استحکام کا خواب شرمندۂ تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

[۳] اسلامی تہذیب وتمدن کے تحفظ کے لیے امام احمد رضا نے قلمی جہاد کیا؛ آج اسلامی تہذیب سے دور کرنے کے لیے تمام تر قوت ووسائل استعمال کیے جا رہے ہیں۔ اس کے مقابل مشرکانہ تمدن کو تھوپنے کی تیاری ہے، وندے ماترم، یوگا آسن، شرکیہ سلوگن کے نفاذ کی کوششیں دراصل اسلامی تہذیب سے منحرف کرنے کی چالیں ہیں۔

[۴] حفظِ ناموسِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے امام احمد رضا کی تمام تر جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ آج سیکڑوں گستاخانِ بارگاہِ رسالت کے مقابل مسلمان پُرعزم وصف آرا ہیں۔ کسی بھی مقام پر مسلمان ناموسِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں جراءت برداشت نہیں کرتے، ہر گستاخ کے مقابل عزیمت کی تاریخ رقم کرتے ہیں۔ یہ عزم وہمت اسی تعلیم کا نتیجہ ہے جو بارگاہِ امام احمد رضا سے ملی۔ اور آج ہمیں بھی اسی درس کی تجدید کرنی ہے، حضور تاج الشریعہ فرماتے ہیں ؎

نبی سے جو ہو بیگانہ اسے دل سے جُدا کر دیں
پدر، مادر، برادر، مال و جاں ان پر فدا کر دیں

[۵] گندم نما جوفروشوں نے مسلم اُمہ کو تباہی سے دوچار کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس میں وہ بے ادبیاں کیں کہ آج آزادیِ اظہار کے نام پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرضی کارٹون میڈیا کے مختلف ذرائع میں پیش کیے جا رہے ہیں، یہود ونصاریٰ مسلسل اس ضمن میں پیش قدمی کر رہے ہیں۔ امام احمد رضا نے اس سلسلے میں جو دفاعی حصار قائم کیا اور بارگاہِ رسالت کے تقدس واحترام کا درس دیا اس کی تجدید سے ہم فتنوں پر قابو پا سکتے ہیں اور تحفظِ ناموسِ رسالت کے لیے ایک قوت بن کر اُبھر سکتے ہیں۔

[۶] اسلامی علوم کے فروغ کے لیے امام احمد رضا کی تعلیمات اپنا کر غیر اسلامی علوم کے مسلم معاشرے میں بڑھتے ہوئے اثر ونفوذ پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

[۷] امام احمد رضا نے اسلاف کی روایات زندہ کی، محبت واخوت کا درس دیا۔ اولیاے کرام کے مشن کو استدلال کی زبان دی، مشنِ رضا کے ذریعے وہابی تکفیری فتنے داعش، القاعدہ، سپاہِ صحابہ جیسی دیگر فتنہ انگیز تنظیموں اور وہابی دہشت گردی سے قوم کو بچایا جا سکتا ہے۔ اسلام کی اصل تعلیمات سے دُنیا کو متعارف کروا کر بدنما وانسانیت دُشمن چہروں کو بے نقاب کیا جانا وقت کا تقاضا ہے۔

[۸] معاشرتی اصلاح اور غیر شرعی رسوم کے سدِ باب کے لیے امام احمد رضا کے فتاویٰ وتعلیمات کی اشاعت وقت کی ضرورت ہے۔

[۹] اپنی دینی تقاریب میں فکرِ رضا پر مشتمل کتب ورسائل کی تقسیم کا مزاج پیدا کیا جائے۔

[۱۰] معمولاتِ اہلِ سنت پر سختی سے قائم رہتے ہوئے مخالفین کے ہر پروپیگنڈے کا دوٹوک و مدلل جواب دیا جائے۔

[۱۱] امام احمد رضا نے اسلاف کی ترجمانی کی؛ امام احمد رضا سے بغض اسلاف کے مشن سے انحراف ہے، ہمارے لیے اسی میں بھلائی ہے کہ اسلاف کی راہ چلیں۔ خلافِ شرع کاموں کو زمانے کا تقاضا بتا کر شریعت سے بیزاری کی فکر رواج دی جارہی ہے۔ اس لیے تحفظِ شریعت کے لیے تعلیماتِ رضا کا ابلاغ ضروری ہے۔

[۱۲] عقائد کے تحفظ کی خاطر ''حسام الحرمین'' کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی جائے، جس میں گستاخانِ بارگاہِ رسالت کو بے نقاب کیا گیا ہے، یہ امام اہلِ سنت کا عظیم کارنامہ ہے۔ ''حسام الحرمین'' پر ۳۳ر علماے حرمین کی تصدیقات ہیں۔ پھر بعد کو مزید تصدیقات ''الصوارم الہندیہ'' کے نام سے شائع ہوئیں۔ جس میں اکابر علما، مشائخ، سلاسلِ حقہ کے بزرگوں نے تصدیقات دیں اور گستاخ فرقوں کی بخیہ ادھیڑ کر رکھ دی۔ تصلب فی الدین کی خاطر ''حسام الحرمین'' کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہونی چاہیے۔

[۱۳] امام اہلِ سنت کے یہاں استدلال کی عظیم قوت ہے، ہر عنوان پر دلائل کے انبار لگا دیتے ہیں۔ مقررین کو چاہیے کہ اپنے خطبات میں فکرِ رضا سے استفادہ کریں اور استدلالی اندازِ بیان اختیار کریں۔ اس لیے کہ کالج و یونی ورسٹی کے طلبا میں اہلِ سنت کے پیغام کی ترسیل کے لیے دلائل کا جوہر ہونا ضروری ہے۔

مزید جہتوں سے بھی فکرِ رضا کی ترسیل کے لیے غور و خوض کیا جاسکتا ہے۔ ضرورت ہے کہ عملی کام کے ذریعے فکر و نظر اور قلب و نگاہ کی تطہیر کا فریضہ انجام دیا جائے تاکہ من کی دُنیا نور نور ہو جائے اور فکرِ رضا کی خوش بو سے صحنِ حیات مہک مہک اُٹھے۔ فکرِ رضا، گنبد خضریٰ کی مشک بار نکہتوں سے مستنیر ہے اور اسی سے کثیر مسائل کا تصفیہ ممکن ہے ؎

انھیں کی بو مایۂ سمن ہے انھیں کا جلوہ چمن چمن ہے
انھیں سے گلشن مہک رہے ہیں انھیں کی رنگت گلاب میں ہے

☆☆☆

امام احمد رضا کی مکتوب نگاری کا عمومی جائزہ

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، ممبئی

امام احمد رضا بریلی میں پیدا ہوئے، بریلی میں تعلیم پائی، بریلی میں تعلیم دی، نہ کہیں پڑھنے گئے، نہ پڑھانے گئے۔ ہاں چند اسفار انہوں نے ضرور کیے۔ دو دفعہ حرمین شریفین حاضر ہوئے، متعدد دفعہ مارہرہ مطہرہ گئے، جہاں اُن کا پیر خانہ تھا۔ رام پور گئے، مراد آباد گئے، پیلی بھیت کئی بار، بیسل پور ایک بار تشریف لے گئے۔ جبل پور دو بار گئے، بمبئی، احمد آباد، اجمیر، کراچی کا بھی سفر کیا۔ کلکتہ ایک دفعہ، پٹنہ تین بار تشریف لے گئے۔ یہ ان کے اسفار کا ایک اجمال ہے۔ تفصیل میری غیر مطبوعہ کتاب ''اسفارِ امام احمد رضا'' میں دیکھیے۔

انہوں نے جو بھی سفر کیا، دینی غرض سے کیا، علمی مقصد سے کیا۔ محض سیر و سیاحت کبھی پیشِ نظر نہ رہی۔ خود بریلی میں جو کمپنی باغ ہے، جہاں تفریح کے لیے جمگھٹا لگا رہتا ہے، امام احمد رضا کا بچپن، جوانی وہیں گزری، مگر کمپنی باغ انہوں نے جھانک کر تک نہیں دیکھا۔ وصال سے چند برس پہلے وہ جبل پور تشریف لے گئے۔ بریلی واپسی ہوئی، تو ان کی سواری کمپنی باغ سے گزری۔ پوچھنے لگے، یہ کیا ہے؟ کہا گیا: یہ کمپنی باغ ہے۔ اس وقت ان کو معلوم ہوا کہ ان کے شہر کا کمپنی باغ یہاں ہے۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے ان کا لڑکپن اور جوانی کیسی پاکیزہ رہی ہوگی۔

بریلی ہو یا باہر، حضر ہو یا سفر، جلوت ہو یا خلوت، دل یادِ الٰہی میں مصروف، زبان کثرتِ درود میں منہمک، نگاہوں میں جلوۂ یار، اُن کی کُل کائنات اُن کا قلم تھا، اُن کی کتابیں تھیں۔ قرطاس و قلم اُن کی غذا تھی۔ جہاں ہیں، دین کی دعوت، قوم کی خدمت میں لگے ہیں۔ لاہور کے ایک بزرگ نے ان کو لاہور آنے کی دعوت دی، تو امام احمد رضا نے جواب دیا، آپ ہمارے یہاں ہفتہ دو ہفتہ یا مہینہ بھر قیام کریں۔ حاجتِ بشریہ کے علاوہ جس وقت بھی اگر میں ذاتی کام کروں، تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ اتنا وقت آپ نکال سکتے ہیں، جب سارا وقت دینِ متین کی خدمت ہی میں صرف ہوتا ہے، تو پھر سفر کی گنجائش کہاں ہے۔ یہ تھی امام احمد رضا کی پل پل پُر سوز زندگی۔

امام احمد رضا گھر میں رہے، مگر گھریلو کام کی طرف یکسر توجہ نہ دی، سب کچھ خدا کے حوالے کر دیا تھا۔ ان کے تمام ذاتی کام ان کے بھائی یا پھر قرابت دار نمٹاتے تھے۔ ملک، مذہب، عالمِ اسلام کے

مسائل، چاہے وہ جس بھی نوعیت کے ہوں، وہ انہیں گھیرے اور وہ ان میں گھرے رہتے تھے۔ کُنج خمولی میں بیٹھ کر ہی وہ ملت کے مسائل کا حل اپنے ناخنِ تدبیر سے کیا کرتے تھے۔ ان کی مثال تو یہ تھی ؎

کیوں نہ گھیریں انہیں مشتاق نگاہوں کا ہجوم
کہ یہ وہ یوسف ہیں جو بازار میں کم آتے ہیں

اُن کے روز وشب کا تجزیہ کریں، تو وہ ایک گوشہ گیر، تارک الدُنیا بزرگ کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ لیکن قدرت نے ان کو وہ دلِ دانا اور چشمِ بینا عطا فرمایا تھا کہ ان کے دل ونگاہ سے مسلم معاشرے کے مسائل کبھی اوجھل نہ رہے۔ نہ ان کو اس انبوہ کثیر کا مسائل میں پھنسا رہنا گوارا تھا۔ وہ ہمیشہ یہی چاہتے تھے کہ خدا کے بندے خدا کی عبادت کریں، رسول اللہ کی اُمت رسول اللہ کی اطاعت کریں۔ دین بیزار طاقتوں اور دین دُشمن قوتوں کے ہتھے نہ چڑھیں۔ یہی وہ تڑپ تھی کہ ملک وملت نے ان کو اپنا مقتدا مانا۔ یہی وہ جذبہ تھا جس نے ان کو عالمِ اسلام کا مسیحا بنا دیا تھا۔ ملتِ اسلامیہ کی رہنمائی ومسیحائی جس جاں سوزی سے انہوں نے کی ہے، وہ تاریخ کا ایک زرّیں باب ہے۔

مسئلہ کوئی بھی، کہیں کا بھی ہو، نظر بریلی کی طرف اُٹھتی تھی، لوگ وہیں آتے تھے۔ مسئلے کا حل ڈھونڈتے تھے، جو نہیں آسکتے تھے، وہ خطوط ومراسلات کے ذریعے استفسارات کرتے تھے۔ جن کے وہ تشفی بخش جوابات پاتے تھے۔ یہ سلسلہ یوپی، سی پی تک ہی محدود نہیں تھا، کنیا کماری سے کشمیر، ڈھاکہ سے پشاور، عرب سے غرب تک دراز تھا۔ یقین نہ ہو، تو وہ ذخیرۂ کتب اُٹھا کر دیکھا جائے، جو اُن کے خطوط وفتاویٰ پر مشتمل ہے۔ اُن کے معاصرین میں شخصیتیں مذہبی ہوں، سیاسی ہوں یا ادبی، ہر ایک کے خطوط، فتاوے، کتابیں یا دیگر تحریریں دیکھیں۔ علوم کی گونا گونی، سوالات واستفسارات کا تنوع، خلقِ کثیر کا رجوعِ عام جو امام احمد رضا کے یہاں نظر آئے گا، وہ ہرگز کہیں اور نظر نہیں آئے گا۔

ڈاکٹر اقبالؔ اور سید سلیمان ندوی امام احمد رضا کے معاصر تھے۔ ڈاکٹر اقبالؔ زمان ومکان کے مسئلے میں اُلجھے، انہوں نے اس مسئلے کا حل سید سلیمان ندوی سے دریافت کیا۔ کم وبیش چھ برس تک دونوں میں خط وکتابت رہی۔ اس طویل مدت میں نتیجہ یہ نکلا، نہ ڈاکٹر اقبالؔ کی خلش دور ہوئی، نہ سید سلیمان انہیں مطمئن کر سکے۔ اس امر کا جائزہ علی گڑھ یونی ورسٹی کے پروفیسر شبیر حسن غوری نے لیا ہے، جو وہاں ہیئت وفلکیات کے استاذ تھے۔ پروفیسر غوری نے صاف لفظوں میں لکھ دیا، سید سلیمان اس دشت کے سیّاح نہیں تھے، بلامبالغہ انہوں نے ڈاکٹر اقبالؔ کو چھ برسوں تک مخمصے میں مبتلا رکھا۔ سید سلیمان کو چاہیے تھا کہ وہ ڈاکٹر اقبالؔ کا رُخ امام احمد رضا کی طرف موڑ دیتے، تو امام احمد رضا مسئلے کا حل ہندی کا

چندی کر کے پوری وضاحت کے ساتھ بتا دیتے۔ واضح رہے کہ یہی ڈاکٹر اقبالؔ اور سید سلیمان نے بھی امام احمد رضا کے علم وفضل کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔

امام احمد رضا خان تو تھے ہی امامِ وقت، اُن کے شاگرد بھی ایک سے ایک باکمال تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد بھی امام احمد رضا کے ہم عصر تھے۔ مذہب ہو یا سیاست دونوں میدان میں آزاد کی زبان اور سمندِ قلم یکساں دوڑتا تھا۔ یہی وہ آزاد تھے، جن پر امام احمد رضا نے کڑی تنقید کی تھی کہ مَن کا معنی سے اور اِلٰی کا معنی تک جان لینے سے عربی یا قرآن فہمی نہیں آتی۔ امام احمد رضا کے ایک شاگرد تھے، ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری، جو اچھے اچھوں کی زبان سِل دیتے تھے۔ جبّے قبّے اُتار کر رکھ دیتے تھے۔ تھانہ بھون کے مولانا اشرف علی ایک دفعہ بریلی آئے۔ ظفر الدین قادری جن کی عمر اس وقت بیس برس کی تھی، مولانا تھانوی سے کچھ تحریری سوالات کیے۔ معمر مولانا تھانوی نے یہ کہہ کر دامن جھاڑ لیا کہ اے بابو تم جیتے، میں ہارا۔ یہی مولانا ظفر الدین نے ایک دفعہ مولانا آزاد کو خط لکھ کر ایک مسئلہ پوچھا۔ جواب میں مولانا آزاد نے صاف طور پر اپنی بے بسی کا اظہار کر دیا۔ کوئی دیکھنا چاہے تو یہ خط اور جوابِ خط دکھا دیا جائے گا۔

۲۱-۱۹۲۰ء میں تحریکِ ترکِ موالات اُٹھی تھی۔ اُس وقت مولانا آزاد بہت اونچی اُڑان اُڑتے تھے۔ دیوبند کے شیخ الحدیث محمود الحسن بھی ان کے ہم رکاب تھے۔ لکھنؤ کے مولانا عبدالباری اور مولانا محمد علی جوہر بھی جھانسے میں آگئے تھے۔ اس تحریک کا امام احمد رضا نے سخت محاسبا کیا تھا۔ مولانا عبدالباری اور مولانا جوہر تو رجوع کر گئے، لیکن مولانا آزاد اور شیخ الہند اپنی روش پر گام زَن رہے۔ امام احمد رضا کی خط وکتابت کا مطالعہ وتجزیہ کیجیے تو صاف نظر آئے گا کہ امام احمد رضا کا موقف کتنا واضح تھا۔ ملتِ اسلامیہ کے مفاد میں تھا اور بے داغ تھا۔ لکھنؤ کے مفتی محمد رضا انصاری نے کھل کر لکھ دیا کہ امام احمد رضا کا اقدام درست تھا، بروقت تھا۔ مولانا آزاد اور شیخ الہند کے متبعین بھی آج وہی کہہ رہے ہیں، کل جو امام احمد رضا کی جانب سے کہا جا رہا تھا اور آج دانش ورانِ عصر امام احمد رضا کے دینی وسیاسی بصیرت وتدبر کی تحسین کرتے نہیں تھکتے۔

برطانوی دورِ اقتدار کا چراغ جب ٹمٹما رہا تھا، اس وقت بھی بہت سی مسلم ریاستیں قائم تھیں۔ ان ریاستوں کے دینی شرعی منصب پر وقت کے بڑے بڑے علما وفضلا، مفتی وقاضی ہوا کرتے تھے۔ جو قضایا ومقدمات ان مفتیان وقضاۃ سے حل نہیں ہو پاتے تھے، تو نوابوں کی طرف سے حکم ہوتا تھا، اب ان پے چیدہ مسائل ومقدمات کو بریلی بھیج دیا جائے۔ عالمِ اسلام میں اب کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ امام احمد رضا کی ہی واحد شخصیت ہے، جو اِن لاینحل مقدمات کا حل پیش کر سکتی ہے۔ امام احمد رضا کے خطوط وفتاویٰ کا

مطالعہ کیجیے، مثالیں مل جائیں گی۔ ریاست بہاول پور اور کرنال اور حیدر آباد کے سوالات گواہ ہیں۔ ریاست رام پور کا ایک فتویٰ وقت کے جلیل القدر عالم مفتی ارشاد حسین مجددی محدث رام پوری نے لکھا تھا۔ علمائے شہر نے تائید بھی کی تھی، لیکن جب وہی سوال و جواب بریلی آیا، تو جواب کی نوعیت ہی بدل گئی۔ جب کہ امام احمد رضا اس وقت بالکل نوعمر تھے، داڑھی مونچھ کی ریکھ ظاہر ہو رہی تھی۔ ایک طرف بزرگ عالمِ دین، ایک طرف نوجوان مفتی، لیکن اظہارِ حق جب نوعمر مفتی نے کیا، تو محدث رام پوری نے انشراحِ صدر سے قبول کیا۔ اور بریلی کے نوجوان مفتی کو مبارک باد کہا۔ یہ اُن کا اخلاص تھا، دیانت تھی۔

امام احمد رضا کی خط نگاری کا وہ پہلو سب جانتے ہیں، جو محاسبا یا ایراد و اعتراض سے ہے۔ مگر وہ یہ نہیں جانتے یا جاننے کی کوشش نہیں کرتے کہ قلم کا تیور اتنا تیکھا کیوں ہے۔ اس کے عقب میں کتنی نیاز کیشی، دردمندی اور خلوص مندی ہے۔ یا دین و شرع کی وہ کون سی باریکی ہے، یا پھر وہ کس زور و قوت سے دلیلوں کا انبار لگا دیتے ہیں یا یہ کہ وہ کون سے اسباب و وجوہ ہیں، جن کی بنیاد پر وہ تیور اپنایا گیا ہے۔ اگر وہ یہ باتیں جان جائیں، تو وہ نہ صرف یہ کہ اپنے رویوں پر نظرِ ثانی کریں گے، بلکہ وہ امام احمد رضا کے مشکور بھی ہوں گے، ہم نوائی بھی کریں گے۔ جنہوں نے ٹھنڈے دل، نگاہِ انصاف سے افکارِ امام کا مطالعہ کیا ہے، تاریخ شاہد ہے، وہ اپنی سابقہ روش سے پلٹ آئے ہیں۔ احمد آباد، دیو دمن اور بنگلور و مدراس کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔

امام احمد رضا کی خط نگاری کا ایک رُخ ان کی دردمندی اور دل سوزی بھی ہے۔ ان کی تحریروں کا یہ رُخ ابھی پردۂ خفا میں ہے، جس کو لکھنے بولنے کی ضرورت ہے۔ جب اس رُخ سے پردہ ہٹایا جائے گا، تو ان کی خط و کتابت کا یہ رُخ صبحِ درخشاں بن کر جلوہ بار ہو جائے گا۔ ان کے اپنے احباو اعزا تو رہنے دیجیے، وہ جن سے ان کی علمی جھڑپیں رہی ہیں، ان سے تخاطب کا جو انداز ہے، وہ انداز کہیں اور نہیں ملتا۔ مذہبی حلقہ ہو یا ادبی طبقہ، اس وصف سے ہر میدان خالی دکھائی دیتا ہے۔ حیدر آباد کے شیخ الاسلام مولانا انوار اللہ خان فاروقی، رام پور کے مولانا شاہ سلامۃ اللہ نقشبندی، فرنگی محل لکھنؤ کے مولانا شاہ عبدالباری، مونگیر کے مولانا محمد علی، دریاباد کے مولانا عبدالماجد، یہ اور اس قسم کے اور حضرات امام احمد رضا کے نہ پیر ہیں، نہ پیرزادے ہیں، استاذ ہیں، نہ استاذ زادے ہیں۔ ہم عصر تو ضرور ہیں، مگر شاید ہی کوئی انصاف پسند یہ کہے کہ یہ حضرات امام احمد رضا کے ہم رتبہ بھی تھے، کیوں کہ علم و فضل کے جس رتبے پر امام احمد رضا فائز تھے، زمانے کا کوئی فرد وہ منزل نہ پا سکا۔

لیکن دیکھنا یہ ہے- امام احمد رضا نے جب ان کو مخاطب کیا ہے۔ تو امام احمد رضا کے قلم کی لچک اور

تحریر کی نرمی قابلِ دید ہے۔ ایسا نہیں کہ یہ زبانی گفتگو رہی ہو، جس کا کوئی تحریری ثبوت موجود نہ ہو۔ طرفین سے جو خط و کتابت ہوئی ہے، خط اور جوابِ خط کا سارا ریکارڈ موجود ہے۔ وہ جو امام احمد رضا پر شدت پسندی یا اڑیل پن کا الزام عائد کرتے ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ یہ ریکارڈ دیکھیں اور منصفانہ تجزیہ کریں، تو کوئی وجہ نہیں کہ آئینے میں وہ عکس نظر آئے گا، جو اس عکس کے برعکس ہوگا، جو انہوں نے بن دیکھے ذہن میں بسائے رکھا ہے۔ سامنے سے یہ بھی دکھائی دے گا کہ شدت پسندی کا الزام عائد کرنے والے کتنے شدت پسند، اڑیل اور سخت گیر ہیں۔ وہ جو غلط فہمی کے شکار ہیں یا جن کی آنکھوں پر تعصب کا چشمہ چڑھا دیا گیا، جب وہ یہ چشمہ ہٹا کر فکرِ رضا کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ان کو امام احمد رضا کی سیرت شفّاف نظر آتی ہے، اور خود یار لوگوں کا دامن داغ دار معلوم ہو جاتا ہے۔

ایک دور وہ تھا، جب زبان و قلم سے صرف جلالی پہلوؤں پر گفتگو ہو رہی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ انہیں جلالی صفت بزرگ کہنے لگے۔ جب سے علمی گوشوں پر کام شروع ہوا ہے، کسی حد تک لوگوں کا یہ تصور کم ہونے لگا ہے۔ تصویر کا رنگ بدلنے لگا ہے۔ رضویات کے شارحین کو چاہیے کہ وہ ہمہ جہت کام کریں۔ امام احمد رضا کا جلالی پہلو ہم ان کی کتابِ زندگی سے حذف نہیں کر سکتے، کیوں کہ یہی ایمانِ خالص کا داعی و محافظ ہے، لیکن یہ ضرور واضح ہونا چاہیے کہ ان کا جمالی گوشہ کیا کیا ہے، چن چن کر اُجاگر کیا جائے۔ دعوت و اصلاح کے باب میں، ردِ بدعت کے ضمن میں، اصلاحِ معاشرہ کے شعبے میں، سماجیات کے ذیل میں، توحید کے تحفظ اور ناموسِ رسالت کی پاسبانی میں ان کی کیا کیا قربانیاں ہیں، یہ تمام کچھ آج سائنٹفک طریقے سے سامنے لانے کی ضرورت ہے۔

امام احمد رضا کی شاعری چھپی، فتاوے چھپے، کتابیں چھپیں، خطوط شائع ہوئے، شرعی و شعری اصلاحات پر مبنی تحریریں شائع ہوئیں۔ اہلِ علم نے پڑھا، دیکھا۔ اس وقت کے جید صاحبانِ علم و ادب نے بے حد پذیرائی کی، سراہا، جان و دل سے تسلیم کیا۔ آنکھیں بند کر کے دُنیا نے مان لیا۔ لیکن مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود ان کے جاں نثاروں نے ان سے سوالات بھی کیے ہیں، جن کے وہ تشفی بخش جوابات پائے ہیں۔ لیکن جو سوالات اُٹھائے گئے ہیں، بظاہر ان میں یک گونہ طنز، تنقید بھی ہے یا سوال اُٹھا کر ان کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ امام احمد رضا کی طرف سے جو جوابات رقم ہوئے ہیں، ان سے نہ صرف سائلین مطمئن ہو گئے، بجائے خود علم و ادب کی مشامِ جاں معطر ہو کر رہ گئی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر دور کے علما و فقہا اور اکابرین و مشاہرین نے امام احمد رضا کو اپنے سروں کا تاج یوں ہی نہیں بنا لیا تھا۔ یقیناً وہ ان کے لیے طرۂ امتیاز تھے، طغرائے افتخار تھے۔ امام احمد رضا جب سلف کے

لیے سند و حجت تھے، تو خلف کے لیے کیوں نہیں ہوسکتے۔ اللہ کریم اخلاف کو اسلاف کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خط جوابِ خط کا وہ پہلو جو اوپر بیان کیا گیا، اس کے لیے دیکھیں: مراد آباد کے صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین، مارہرہ کے تاج العلماء سید اولادِ رسول محمد میاں قادری، کان پور کے حضرت مولانا شاہ سید محمد آصف رضوی، احمد آباد کے حضرت مفتی عبدالرحیم، پیلی بھیت کے مفتی محمد وصی احمد محدث سورتی، کان پور کے علامہ احمد حسن -رضوان اللہ علیہم اجمعین- کے خطوط اور ان کے جوابات، یہ وہ شخصیتیں تھیں، جو منتخباتِ روزگار سے تھیں۔ ان حضرات نے استفسارات تو کیے، مگر تا حدِ ادب۔ اس سے بھی اخلاف کو سبق لینا چاہیے۔

خطوط و جوابات کا ایک امکانی پہلو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ امام احمد رضا سرچشمۂ علم و فن تھے۔ سوالات کرنے والے جوان کے اپنے تھے، فیضِ صحبت سے فیض یاب ہوتے رہتے تھے۔ اخذِ فیض کے لیے بھی سوالات لکھ بھیجتے تھے۔ وہ چشمہ اُبل جاتا تھا اور یہ سیراب ہوجاتے تھے۔ علمی فیض پانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے، جو ان حضرات نے اپنایا۔ ورنہ طنز، تنقید یا گھیرابندی کرنے کی کوئی اور وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

المختصر! امام احمد رضا کی صورت میں وہ صداقت کی آواز تھی، جو ہند سندھ، عرب عجم، شرق غرب کے گلی کوچے تک پہنچی۔ وہ آواز کیا تھی، شور الرحیل تھا، جو اندھیروں کے خلاف اُجالوں کی پیہم پیش رفت تھی۔ یہ کوئی نئی آواز نہ تھی، نہ کوئی نیا پیغام تھا۔ یہ وہی پیغام تھا، جو طاقِ حرم سے اُبھرا تھا، دارِ ارقم سے بلند ہوا تھا۔ زمانہ بیتتا گیا۔ زبان بدلتی گئی۔ مگر آواز وہی رہی، جو توحید الٰہی کا پرچم بلند کرتی رہی۔ تیرھویں صدی ہجری کے آخر اور ۱۴رویں صدی ہجری کے اوّل میں یہ آواز امام احمد رضا کی صورت میں گونجتی رہی۔ توحید و رسالت کے پرستار لبیک کہتے رہے۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی، تیرگی کا پیچھا روشنی کرتی رہے گی۔ یہاں تک کہ قیامت برپا ہوجائے گی۔

بہار و خزاں کی آویزش، سفید و سیاہ کی کش مکش، ہلال و صلیب کی اُٹھا پٹک، نور و ظلمت کی ہاتھا پائی، مہر و قہر کی تنا تنی، یہ کوئی نئی بات تو نہیں، یہ ریت تو دیکھی ہوئی ہے۔ یہ روش تو آزمائی ہوئی ہے۔ یہ روایت تو پڑھی ہوئی ہے۔ تب پھر لوگ تذبذب کے شکار کیوں ہیں؟ صداقت کا دامن تھامیں، مداہنت کی چادر تار تار کریں۔ بہاروں سے لطف اُٹھائیں، سپیدیوں کا سفیر بنیں، ہلال و نور کی وکالت کریں۔ ایسا کریں گے، تو زندگی بنائیں گے۔ آخرت کمائیں گے۔ یہی تو مقصودِ حق ہے، مطلوبِ رب ہے۔

☆☆☆

خاتم الاکابر، سید آل رسول مارہروی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں

امام احمد رضا قدس سرہٗ کا نذرانۂ عقیدت

ترجمہ: مولانا اختر حسین فیضی مصباحی، استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

(۱) **خوشا دلے کہ دہندش ولائے آل رسول**
خوشا سرے کہ کنندش فدائے آل رسول

کیا ہی خوب ہے وہ دل جسے آل رسول کی محبت عطا ہو، اور کیا ہی مبارک ہے وہ سر جو آل رسول پر فدا ہو۔

(۲) **گناہ بندہ بخش اے خدائے آلِ رسول!**
برائے آلِ رسول از برائے آلِ رسول

اے آلِ رسول کے خدا! آلِ رسول کے لیے اور آلِ رسول کے واسطے بندے کے گناہ بخش دے۔

(۳) **ہزار درجِ سعادت برآرد از صدفے**
بہائے ہر گہر بے بہائے آلِ رسول

آلِ رسول کے ہر انمول موتی کی قیمت ایک صدف سے ہزاروں درج سعادت (سعادت کی ڈبیا) برآمد کرتی ہے۔

(۴) **سیہ سپید نہ شد گر رشید مصرش داد**
سیہ سپید کہ سازد عطائے آلِ رسول

اگر ہارون رشید نے ملک کا سیاہ و سفید وزیر کے ہاتھوں میں دے دیا تو سیاہ سفید نہ ہوا۔ سیاہ کو سفید تو آلِ رسول کی عطا کرتی ہے۔

(۵) **اِذَا رُوًا ذُکـــــــرَ اللّٰہ معائنہ بنی**
من و خدائے من آنست ادائے آلِ رسول

اولیا وہ ہیں کہ جب انھیں دیکھو تو خدا یاد آئے، یہاں اس قول کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ آلِ رسول کی ادا ایسی ہے کہ اسے دیکھنے کے بعد میں ہوتا ہوں اور میرا خدا۔

(۶) خبر دہد زتگ لا الٰہ الا اللہ
فنائے آلِ رسول و بقائے آلِ رسول

آلِ رسول کی فنا اور بقا دونوں کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' کا پتا دیتی ہیں۔

(۷) ہزار مہر پرد در ہوائے او چوں بہا
بروز نے کہ درخشد ضیائے آلِ رسول

جس روشن دان سے آلِ رسول کی ضیا پھوٹتی ہے اس کی فضا میں ہزاروں آفتاب ذروں کی طرح اُڑتے ہیں۔

(۸) نصیب پست نشیناں بلندی ست ایں جا
تواضع ست درِ مرتقائے آلِ رسول

یہاں پستی میں بیٹھنے والوں کا مقدر بلندی ہے، آلِ رسول کے مقام بلند کا دروازہ تواضع ہے۔

(۹) بر آ بہ چرخ بریں و ببیں ستانۂ او
گرا بہ خاک و بیا بر سمائے آلِ رسول

چرخ بریں پہ آ کر ان کا آستانہ دیکھو، خاک کی طرف مائل رہو اور آلِ رسول کے آسمان پر آؤ،

(۱۰) قبائے شہ بہ گلیم سیاہ خود نہ خرد
سیہ گلیم نباشد گدائے آلِ رسول

ان کے در کا بھکاری اپنی کالی کملی کے بدلے قبائے شاہی نہیں خریدتا اور آلِ رسول کی بارگاہ کا گدا بے ثروت نہیں ہوتا۔

(۱۱) دوائے تلخ مخور شہد نوش و مژدہ نیوش
بیا مریض بدار الشفائے آلِ رسول

تلخ دوا مت کھا، شہد چاٹ اور خوش خبری سن، اے بیمار! آلِ رسول کے دار الشفاء میں آ۔

(۱۲) ہمیں نہ از سر افسر کہ ہم زسر برخاست
نشست ہر کہ بہ فرقش ہمائے آلِ رسول

جس کے سر پر آلِ رسول کا ہما (پرندہ) بیٹھ گیا وہ نہ صرف افسر کے سر سے بلکہ تصور و خیال سے بھی اوپر اُٹھ گیا۔

(۱۳) بہ سخر و طعنۂ سختی زند بہ عارضِ گل
بہ سنگ صخرہ وزد گر صبائے آلِ رسول

اگر چٹان کے پتھر پر آلِ رسول کی پروائی ہوا چلے تو وہ پھول کے رخسار کو سخت ہونے کا طعنہ دے اور اس کا مذاق اُڑائے۔

(۱۴) دہد زباغ منیٰ غنچہ ہائے زر بہ گرہ
دم سوال حیا و غنائے آلِ رسول

آلِ رسول کی حیا و غنا سوال کے وقت آرزوؤں کے باغ سے سونے کی کلیاں بھری مٹھی سے عطا کرتی ہے۔

(۱۵) زچرخ کانِ زرِ شرقی مغربی آرند
بدردِ مس بمَسِ کیمیائے آلِ رسول

کیمیا گر زر مشرقی کے ذخیرے کو پگھلا کر زر مغربی (زر خالص) برآمد کرتے ہیں۔ آلِ رسول کی کیمیا گری تانبے کو صرف مس سے (محض ہاتھ لگا کر) چاک کر دیتی ہے۔

(۱۶) جرس بصلصلہ اش آں چہ گفت راہی را
ہماں بسلسلہ آرد ورائے آلِ رسول

گھنٹے نے اپنی گونج میں جو کچھ سالک سے کہا اسی کو وہ آلِ رسول کے بعد سلسلے میں لائے گا۔

(۱۷) رسول داں شوی از نام او نمی بینی
دو حرف معرفہ در ابتدائے آلِ رسول

ان کے نام سے تم رسول آشنا ہو جاؤ گے، کیا ''آلِ رسول'' کی ابتدا میں معرفہ کے دو حرف (ال) نہیں دیکھتے۔

(۱۸) **بہ خدمتش نخرد باج وتاج زنگ وفرنگ**
سپید بخت سیاہ سرائے آلِ رسول

ان کی خدمت کے بدلے وہ زنگیوں اور فرنگیوں کا مال وتاج نہ خریدے گا۔ آلِ رسول کے گھر کا سیاہ غلام سپید بخت اور تابندہ نصیب ہوتا ہے۔

(۱۹) **اگر شب ست وخطر سخت وره نه می دانی**
ببند چشم و بیا بر قفائے آلِ رسول

اگر رات ہے اور خطرہ سخت اور راہ نامعلوم، تو آنکھیں بند کرلے اور آلِ رسول کے پیچھے پیچھے چلا آ۔

(۲۰) **زسر نہند کلاہ غرور مدعیاں**
بہ جلوہ مدد اے کفش پائے آلِ رسول

اے آلِ رسول کے پیر کی جوتی تیری بخشش دیکھ کر ڈینگیں مارنے والے تکبر کی ٹوپیاں سر سے اتار دیتے ہیں۔

(۲۱) **ہزار جامۂ سالوس راکتانی دہ**
بتاب اے مہِ جیبِ قبائے آلِ رسول

اے آلِ رسول کے چاک گریباں کے چاند! تابندہ ہوکر ہزاروں جامۂ فریب کو پارہ پارہ کردے۔

(۲۲) **مرو بہ مے کدہ کاں جا سیاہ کارا نند**
بیا بہ خانقہِ نور زائے آلِ رسول

مے کدہ مت جا کہ وہ بدکاروں کی جگہ ہے، آلِ رسول کی خانقاہ میں آ کہ یہاں نور پیدا ہوتا ہے۔

(۲۳) **مرو بہ مجلسِ فسق و فجور شیداں**
بیا بہ انجمن اتقائے آلِ رسول

مکاروں کے فسق وفجور کی مجلس میں مت جا، آلِ رسول کی تقویٰ شعار انجمن میں آ۔

(۲۴) **مرو بدا مگہ ایں دروغ بافاں ہیچ**
بیا بہ جلوہ گہِ دل کشائے آلِ رسول

ان دروغ بافوں کی شکارگاہ میں ہرگز نہ جا، آلِ رسول کی دل کشا جلوہ گاہ میں آ۔

(۲۵) **ازاں بہ انجمنِ پاک سبز پوشاں رفت**
کہ سبز بود دراں بزم جائے آلِ رسول

سبز پوشوں کی پاکیزہ محفل میں اس لیے گیا کہ اُس بزم میں آلِ رسول کی جگہ سرسبز ہوتی ہے۔

(۲۶) **شکست شیشہ بہ ہجر و پری بشیشہ ہنوز**
زدل نمی رود آں جلوہ ہائے آلِ رسول

فراق کی وجہ سے شیشۂ دل ٹوٹ گیا مگر معشوق اب بھی شیشے میں موجود ہے۔ آلِ رسول کے جلوے دل سے جدا نہیں ہوتے۔

(۲۷) **شہید عشق نمیرد کہ جاں بجاناں داد**
تومُردی اے کہ جدائی زپائے آلِ رسول

شہید عشق جس نے جان، جاناں کو دے دی وہ مردہ نہیں، اے آلِ رسول کے قدم سے جدا ہونے والے! مردہ تو ہے۔

(۲۸) **بگو کہ وائے من و وائے مردہ ماندن من**
منال ہرزہ کہ ہیہات وائے آلِ رسول

یہ کہہ کہ افسوس مجھ پر اور میرے مردہ رہ جانے پر ہیہات (ہائے دوری) وائے آلِ رسول کا بے ہودہ نالہ مت کر۔

(۲۹) **کہ می برد زمریضان تلخ کام نیاز**
بہ عہد شہد فروش بقائے آلِ رسول

بقائے آلِ رسول کے شہد فروش عہد تک تلخ کام بیماروں کا نیاز کون لے جائے۔

(۳۰) **صبا سلام اسیران بستہ بال رساں**
بطائران ہوا و فضائے آلِ رسول

اے صبا! بال و پر بندھے ہوئے اسیروں کا سلام آلِ رسول کی فضاو ہوا کے پرندوں کو پہنچا۔

(۳۱) **خطا مکن دلکا پردہ ایست دوری نیست**
بگوش می خورد کنوں صدائے آلِ رسول

اے دل حقیر! خطا نہ کر، بس ایک پردہ ہے دوری نہیں ہے، آلِ رسول کی صدا ابھی کانوں تک پہنچنے والی ہے۔

(۳۲) **مگو کہ دیدہ گری و غبار دیدہ بہ خند**
بکار تست کنوں تو تیائے آلِ رسول

یہ دعویٰ نہ کر کہ تو دیدہ گر ہے اور تیری آنکھ کا غبار ہنس کر کہے کہ ابھی تیرے لیے آلِ رسول کا سرمہ درکار ہے۔

(۳۳) **مپیچ در غم عیارگان ذنب شعار**
اگر ادب نہ کنند از برائے آلِ رسول

خطا شعار عیاروں کے غم میں نہ اُلجھ اگر وہ آلِ رسول کے واسطے ادب کی بجا آوری نہ کریں۔

(۳۴) **ہر آں کہ نکث کند نکث بہر نفس ویست**
غنی ست حضرت چرخ اعتلائے آلِ رسول

جو عہد شکنی کرے اس کی عہد شکنی کا ضرر اسی کو پہنچے، آلِ رسول کی فلک رفعت بارگاہ اس سے بے نیاز ہے۔

(۳۵) **سپاس کن کہ بپاس و سپاس بدنشاں**
نیاز و ناز ندارد ثنائے آلِ رسول

شکر کر کہ بدطبع لوگوں کے لحاظ و سپاس پر آلِ رسول کی ثنا ناز و نیاز نہیں رکھتی۔

(۳۶) **نہ سگ بشور و نہ شپر بخامشی کاہد**
زقدر بدرو ضیائے ذُکائے آلِ رسول

نہ کتا اپنے شور سے آلِ رسول کے ماہ تمام کی قدر گھٹا سکتا ہے، نہ چمگادڑ اپنی خاموشی سے آلِ رسول کے آفتاب کی روشنی کم کر سکتی ہے۔

(۳۷) **تواضعِ شہِ مسکیں نواز را نازم**
کہ ہم چو بندہ کند بوس پائے آلِ رسول

مسکینوں کو نوازنے والے بادشاہ کی تواضع پر نازاں ہوں کہ مجھ جیسا غلام آلِ رسول کے قدموں کا بوسہ لے رہا ہے۔

(۳۸) **منم امیر جہاں گیر کج کلہ یعنی**
کمینہ بندہ و مسکیں گدائے آلِ رسول

میں کج کلاہ، جہاں گیر، حاکم و امیر ہوں یعنی سرکار آلِ رسول کا کمینہ غلام اور بے مایہ گدا ہوں۔

(۳۹) **اگر مثال خلافت دہد فقیرے را**
عجب مدار زفیض و سخائے آلِ رسول

اگر وہ ایک فقیر کو سند خلافت سے نوازیں تو آلِ رسول کے اس فیض اور کرم پر تمھیں تعجب نہیں ہونا چاہیے۔

(۴۰) **مگیر خردہ کہ آں کس نہ اہل ایں کارست**
کہ داند اہل نمودن عطائے آلِ رسول

یہ اعتراض نہ کر کہ وہ اس کام کا اہل نہیں اس لیے کہ آلِ رسول کی عطا اہل بتانا جانتی ہے۔

(۴۱) **ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا**
تبارک اللہ ما و ثنائے آلِ رسول

راہ کا تفاوت تو دیکھو! کہاں سے کہاں تک ہے۔ اللہ اکبر! کہاں ہم اور کہاں آلِ رسول کی تعریف و توصیف۔

(۴۲) **مرا زنسبت ملک است امید آں کہ بہ حشر**
ندا کنند بیا اے رضائے آلِ رسول

مجھے ان کی غلامی کی نسبت سے اس بات کی امید ہے کہ پکارنے والے مجھے یوں پکاریں گے کہ آ، اے آلِ رسول کے رَضا آ۔

☆☆☆

بکارِ خویش حیرانم اغثنی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

محمد معین الدین خان برکاتی
استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام، سوداگران بریلی شریف

بکارِ خویش حیرانم اغثنی یا رسول اللہ پریشانم، پریشانم، اغثنی یا رسول اللہ

حلِ مفردات کار: کام، کاج، پیشہ، ہنر، بولنے والا☆ خویش: آپ، اپنا، سگا، قوم، قریب۔ ☆ حیران: بھونچکا، ہکا بکا☆ اغثنی: صیغۂ امر، حاضر معروف ن وقایہ ی متکلم مفعول بہ مصدر غوث واغاثۃ اعانت کرنا، مدد کرنا ہے، پریشان، پراگندہ: مصیبت زدہ۔

ترجمہ: میں اپنے کام سے حیران و پریشان ہوں، یارسول اللہ میری مدد فرمائیے۔ میں پراگندہ، مصیبت زدہ ہوں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری مدد فرمائیے۔

ندارم جز تو ملجائے ندانم جز تو ماوائے توئی خود ساز و سامانم اغثنی یا رسول اللہ

حلِ مفردات ندارم: داشتن، مصدر رکھنا سے منفی مضارع ☆ ملجا: جائے پناہ، پناہ کی جگہ☆ ندانم دانستن مصدر جاننا سے منفی مضارع ☆ ماویٰ: جائے بازگشت، جائے پناہ، اپنا گھر، پھر کر آنے کی جگہ ☆ ساز: مانند، موافقت: بنانے والا موافقت کرنے والا، سامان☆ استعداد: توانا☆ مکر نفع، سامان، اسباب، اندازہ، قدر۔

ترجمہ: آپ کے سوا کوئی پناہ کی جگہ نہیں رکھتا، نہ ہی آپ کے سوا کوئی جائے پناہ جانتا ہوں، آپ ہی میری پونجی اور اسباب ہیں؛ یارسول اللہ میری مدد فرمائیے۔

شہا بیکس نوازی کن طبیبا چارہ سازی کن مریض دردِ عصیانم اغثنی یا رسول اللہ

حلِ مفردات بیکس: بے یارو مددگار، تنہا، گنگال، مسافر، یتیم☆ نوازی: مہربانی، مرکبات میں بطورِ لاحقہ استعمال ہوتا ہے، جیسے بندہ نوازی، دراصل نواز مصدر فارسی نواختن کا صیغہ امر ہے، جو اس اسم کے بعد آکر اسے اسم فاعل بنا دیتا ہے، جیسے بندہ نواز، ☆ طبیب: معالج جمع اطبا☆ چارہ سازی: علاج کرنا☆ مریض: بیمار، روگی☆ درد: دکھ☆ عصیان: مصدر ہے اس کے اصلی معنی سخت ہونا، اصطلاحی معنی گناہ اس لیے کہ گناہ کرنے سے آدمی سخت ہو جاتا ہے۔

ترجمہ: اے میرے بادشاہ! بے یارو مددگار پر مہربانی فرمائیے، اے علاج فرمانے والے! علاج فرمائیے کیوں کہ میں گناہ کے دُکھ کا بیمار ہوں، یارسول اللہ میری مدد فرمائیے۔

نرفتم راہ بینایاں فتادم در چہ عصیاں بیا اے حبلِ رحمانم اغثنی یا رسول اللہ

حلِ مفردات بینایاں: بینا کی جمع دیکھنے والا☆ دانا: عقل مند، ہوشیار☆ چہ: کلمۂ تعجب، کنواں ☆ عصیاں: گناہ☆ حبل: رسی، رگ، جمع حبول☆ رحمٰن: رحمت سے مشتق ہے، اس کا اطلاق ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا کسی پر جائز نہیں، صفت مشبہ کا صیغہ ہے، معنی بخشنے والا۔

ترجمہ: میں عقل مندوں کے راستے پر نہیں چلا اس لیے گناہ کی دَلدل میں پھنس گیا، اے رحمٰن عزوجل کی رسی آپ تشریف لائیے، یارسول اللہ! میری مدد فرمائیے۔

گنہ بر سر بلا بارد دلم درد ہوا دارد کہ داند جز تو درمانم اغثنی یا رسول اللہ

حلِ مفردات بلا: دُکھ، مصیبت☆ بارد: باریدن، مصدر برسنا برسانا کا مضارع ہے☆ درد: دُکھ ☆ دارد، داشتن، مصدر رکھنا کا مضارع ہے☆ ہوا: آرزو اشتیاق، خواہش دل کی☆ کہ: جو وہ یعنی چھوٹا، بے حیثیت، ایسا، کس لیے، کے واسطے، یکا یک، بلکہ، کون☆ درمان: علاج، دوا، دارو، اور بمعنی چھوڑ دے اس صورت میں یہ امر ہے۔

ترجمہ: گناہ سر پر مصیبت برسا رہے ہیں، دل میں خواہش کا درد ہے، آپ کے سوا میرے درد کا علاج کون جانتا ہے، یارسول اللہ میری مدد فرمائیے۔

اگر رانی وگر خوانی غلامم انت سلطانی دگر چیزے نمیدانم اغثنی یا رسول اللہ

حلِ مفردات رانی: راندن، مصدر ہانکنا چلنا چلانا سے مضارع صیغہ واحد حاضر ہے☆ خوانی: خواندن، مصدر پڑھنا بلانا سے مضارع صیغہ واحد حاضر ہے☆ سلطان: والی، حجت، قدرت جمع سلاطین ☆ اگر: حرفِ شرط جو، جب، مبادا، بالفرض، ہر چند

ترجمہ: آپ مجھے بھگائیں یا بلائیں میں آپ کا غلام آپ میرے آقا، اس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا ہوں، یارسول اللہ میری مدد فرمائیے۔

بکہفِ رحمتم پرور زِ قطمیرم منہ کم تر سگِ درگاہِ سلطانم اغثنی یا رسول اللہ

حلِ مفردات کہف: غار، پناہ☆ قطمیر: کھجور کی گٹھلی کا نشان، تھوڑی سی چیز، اصحاب کہف کے کتے کا نام☆ درگاہ: دربار، کچہری، مقبرہ☆ منہ: نہادن مصدر سے نہیں ہے۔

ترجمہ: اے میرے آقا! اپنی رحمت کی پناہ میں پرورش فرمائیے، مجھے قطمیر (اصحابِ کہف کے کتے)

سے کم تر مرتبہ نہ دیجیے، اپنے بادشاہ کے دربار کا کتا ہوں، یارسول اللہ میری مدد فرمائیے۔

گنہ در جانم آتش زد قیامت شعلہ می خیزد　　مدد اے آبِ حیوانم اغثنی یا رسول اللہ

حلِ مفردات جان: روح، طاقت، جان☆ آتش زد: آتش زدن سے، معنی خراب کرنا ہے، زد صیغۂ امر ہے مگر اسم سے ملنے کی وجہ سے فاعل کا معنی دے گا☆ شعلہ: روشنی لپٹ آگ کی☆ خیزد: خزیدن، مصدر اُٹھنا کھڑا ہونا سے ہے☆ آبِ حیوان: آبِ حیات

ترجمہ: گناہوں نے میری جان میں آگ لگا رکھی ہے، مصیبت کی قیامت شعلہ برسا رہی ہے، اے میرے آبِ حیات مدد کو آیئے، یارسول اللہ میری مدد فرمائیے۔

چو مرگم نخل جاں سوزد بہارم را خزاں سوزد　　نہ ریزد برگ ایمانم اغثنی یا رسول اللہ

حلِ مفردات مرگ: موت☆ نخل: درخت، خرما، پیڑ پودا☆ خزاں: پت جھڑ، گھسنے والا☆ سوزد: سوختن، مصدر جلنا جلانا کا مضارع ریزد، ریختن مصدر بٹنا بٹانا، بکھیرنا، بکھرنا سے مضارع ہے، نیز اس کے معنی ڈالنا گرانا بھی ہے☆ برگ: سامان، اسباب، سرانجام، التفات، پروا، درخت کا پتہ

ترجمہ: جب میری موت روح کے پیڑ کو جلا دے میری بہار کو پت جھڑ اجاڑ دے تو اس وقت میرے ایمان کا پتہ نہ گرے، یارسول اللہ میری مدد فرمائیے۔

چو محشر فتنہ انگیزد بلائے بے اماں خیزد　　بجویم از تو درمانم اغثنی یا رسول اللہ

حلِ مفردات محشر: لوگوں کے اکٹھا ہونے کی جگہ قیامت کے دن، مراد قیامت☆ فتنہ: عذاب دیوانگی، آزمائش، حیرت، گمراہی کفر، رسوائی، مال واولاد، اصلاح عاشق ومعشوق کے معنی میں بھی آتا ہے☆ انگیزد: انگیختن مصدر اُٹھنا اُٹھانا کا مضارع ہے☆ بلا: مصیبت، دُکھ، بپتا☆ امان: پناہ، بے خوفی☆ خیزد: خزیدن مصدر اُٹھنا کھڑا ہونا کا مضارع ہے☆ درمان: دوا، دارو، علاج

ترجمہ: جب قیامت فتنہ (عذاب وآزمائش) اُٹھائے خوف ناک مصیبت کھڑی ہو جائے تو اس وقت صرف آپ کے علاج کا متلاشی ہوں، یارسول اللہ میری مدد فرمائیے۔

پدر را نفرتے آید پسر را وحشت افزاید　　تو گیری زیر دامانم اغثنی یا رسول اللہ

حلِ مفردات پدر: باپ☆ نفرت: کسی چیز سے بھاگنا، گھن کرنا، بیزار ہونا☆ پسر: لڑکا، بیٹا☆ وحشت: آدمیوں سے نفرت جیسے جانوروں میں ہوتی ہے☆ افزاید: افزودن، مصدر بڑھنا بڑھانا، زیادہ کرنا کا مضارع ہے☆ گیری: گرفتن، مصدر پکڑنا، لینا، فرض کرنا، اُکھاڑنا، بچھانا، شروع کرنا کا مضارع ہے

ترجمہ: (جس وقت) باپ بیٹے سے بھاگتا اور بیٹا باپ سے نفرت کرتا ہو تو اس وقت سرکار اپنے

دامنِ کرم میں لے لیں، یارسول اللہ میری مدد فرمائیے۔

عزیزاں گشتہ دور از من ہمہ یاراں نفور از من　　دریں وحشت ترا خوانم اغثنی یا رسول اللہ

حلِ مفردات عزیزاں: جمع عزیز کی، پیارا، محبوب، مرغوب، کمیاب، قادر، کسی پر غالب، ارجمند☆ دور: بعید☆ نفور: بھاگنے والا، نفرت کرنے والا، ☆ وحشت: نفرت☆ خوانم: خواندن، مصدر پڑھنا بلانا کا مضارع واحد متکلم☆ یاراں: یار کی جمع

ترجمہ: تمام خویش واقارب ہم سے دور ہو گئے۔ اور دوست نفرت کرنے لگے، ایسے وحشت انگیز ماحول میں آپ کو پکارتا ہوں، یارسول اللہ میری مدد فرمائیے۔

گدائے آمد اے سلطاں بامید کرم نالاں　　تہی داماں مگر دانم اغثنی یا رسول اللہ

حلِ مفردات گدا: فقیر، بھیک مانگنے والا☆ سلطان: بادشاہ، والی حجت، قدرت، قہر، غلبہ☆ امید: آرزو، آس☆ کرم: مروت، سخاوت، عزیزی، مردمی: بزرگواری، جواں مردی، مجازاً مہربانی☆ نالاں: روتا ہوا، نالہ وفریاد کرتا ہوا☆ تہی: خالی، جو بھرا ہوا نہ ہو☆ دامان: دامن، آنچل

ترجمہ: اے کرم کے بادشاہ ایک منگتا بخشش کی امید پر روتا ہوا خالی دامن حاضر دربار ہوا ہے مگر ایمان رکھتا ہوں، (کہ آپ رب کی طرف سے مازون ومختار ہیں) یارسول اللہ میری مدد فرمائیے۔

اگر میرانیم از در بمن بنما درے دیگر　　کجا نالم کرا خوانم اغثنی یا رسول اللہ

حلِ مفردات رانیم: راندن، مصدر چلنا چلانا، ہانکنا سے مضارع واحد حاضر کا صیغہ ہے اور میم ضمیر متکلم کی مفعول ہے۔☆ نُما: دیکھنے والا دکھانے والا اور بمعنی بڑھوتری اور افزائش کے بھی، یہاں نمودن مصدر دیکھنا دکھانا کرنا سے امر ہے بمعنی دکھا☆ کجا: کہاں، کس جگہ، اور ہر جا کے معنی بھی☆ نالم: نالیدن مصدر شور کرنا، رونا سے مضارع متکلم ہے۔

ترجمہ: اگر آپ اپنے دربار گہر سے مجھے بھگا دیں تو مجھے کوئی دوسرا دربار دکھا دیں آخر میں کس در پر روؤں اور کسے پکاروں (میرا کوئی نہیں آپ کے سوا) یارسول اللہ میری مدد فرمائیے۔

گرفتارم رہائی دہ مسیحا مومیائی دہ　　شکستم رنگ سامانم اغثنی یا رسول اللہ

حلِ مفردات گرفتار: پکڑا ہوا، پھنسا ہوا، گرفتاری☆ رہائی: چھٹکارہ، خلاصی☆ دہ: کلمۂ لاحقہ ہے دادن مصدر کا صیغہ امر ہے، اسم کے بعد آکر اسے اسم فاعل ترکیبی بنا دیتا ہے اور دینے والے کے معنی دیتا ہے۔ جیسے تکلیف دہ؛ تکلیف دینے والا☆ مسیحا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے جو بطورِ معجزہ مردے کو زندہ کر دیتے تھے، فارسیوں نے اس میں الف بڑھا لیا ہے، مرادی معنی بیمار کو اچھا کرنے والا، مردے

کو زندہ کرنے والا ☆ مومیائی: اور مومیا: ایک شئ کا نام ہے جسے بطورِ دوا کے استعمال کرتے ہیں اور یہ سیاہ رنگ کی ہوتی ہے اور یہ مشہور دوا ہے، چوٹ کے کام آتی ہے اور مصر کی قدیم محفوظ لاش کا بھی نام ہے ☆ شکستم: واحد متکلم، صیغہ فعل ماضی ہے مصدر شکستن سے معنی ٹوٹنا، توڑنا، ☆ رنگ: رنگت ☆ طریقہ: قاعدہ، خوشی وغیرہ ☆ سامان: اسباب، اندازہ، قدر، تیاری کی چیزیں۔

ترجمہ: رہائی دینے والے آقا! میں گرفتارِ بلا ہوں مجھے چھٹکارہ دیجیے، علاج کرنے والے مسیحا! میرا علاج فرمائیے میں نے سامانِ سفر کے طریقے کو توڑ ڈالا ہے، یارسول اللہ میری مدد فرمائیے۔

رضایت سائل بے پرتوئی سلطان لا تنھر　　شہا بہرِ ازیں خوانم اغثنی یا رسول اللہ

حلِ مفردات سائل: مانگنے والا، سوال کرنے والا ☆ بہر: واسطے، لیے، باعث ☆ لا تنھر: آیت واما السائل فلا تنھر اے محبوب! مانگنے والے کو نہ جھڑکو سے تلمیح ہے ☆ بے پر: لاچار

ترجمہ: آپ کا رضا (آپ سے) مانگنے والا و مجبور لاچار ہے، آپ ''لا تنھر'' کے بادشاہ ہیں، میرے آقا! اسی وسیلے اور واسطے میں عرض گزار ہوں کہ یارسول اللہ میری مدد فرمائیے۔

☆☆☆

(ماخوذ: قصائد رضویہ کی مختصر شرح، مطبوعہ المکتب النور، بریلی شریف)

علمی استحضار

''میں گیارہ برس تین ماہ (حضور مفتی اعظم کی) خدمت میں رہا اس درمیان ۲۴/ ہزار مسائل لکھے، جن میں کم از کم دس ہزار فتاویٰ وہ ہیں جن پر حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی تصدیق و تصحیح ہے۔ میں گھسا پٹا نہیں بہت سوچ سمجھ کر جانچ تول کر مسئلہ لکھتا۔ مگر واہ رے مفتی اعظم! اگر ذرا بھی غلطی ہے یا لوچ ہے یا بے ربطی ہے یا تعبیر غیر مناسب ہے یا سوال کے ماحول کے مطابق جواب میں کمی بیشی ہے یا کہیں سے کوئی غلط فہمی کا ذرا بھی اندیشہ ہے تو فوراً اس پر تنبیہ فرماتے اور مناسب اصلاح۔ تنقید آسان ہے مگر اصلاح دشوار۔ مگر ستر سالہ حضور مفتی اعظم کا دماغ اور علم ایسا جوان تھا کہ تنقید کے بعد فوراً اصلاح فرماتے اور ایسی اصلاح کہ پھر قلم ٹوٹ کر رہ جاتا۔ بارہا ایسا ہوتا کہ حکم کی تائید میں کوئی عبارت نہ ملتی تو میں اپنی صواب دید سے حکم لکھ دیتا کبھی دور دراز کی عبارت سے تائید لاتا؛ مگر مفتی اعظم ان کتابوں کی عبارتیں جو دار الافتاء میں نہ تھیں زبانی لکھوا دیتے میں حیران رہ جاتا۔ یا اللہ کبھی کتاب کا مطالعہ کرتے نہیں یہ عبارتیں زبانی کیسے یاد ہیں۔''

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ

(مقدمہ: فتاویٰ مصطفویہ، ص ۹۲)

مولانا شاہ محمد رضا بریلوی

برادر و تلمیذِ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہما الرحمہ

محمد افروز قادری چریاکوٹی
afrozqadri@gmail.com

خانوادۂ امام احمد رضا محدث بریلوی کئی صدیوں سے علم و کمال کی حقیقی خدمات انجام دیتا چلا آرہا ہے۔ اس گھرانے کی علمی و فکری فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ آبا و اجداد سے لے کر اولاد و احفاد تک مسلسل علم و فکر کی آبیاری ہوتی دکھائی دیتی ہے، اور معتقدات و نظریاتِ اہلِ سنت کو مہر نیم روز کی طرح واضح و شفاف کر دکھانے میں اس خاندان کے نوابغ رجال نے جو سعیِ مسلسل اور جہادِ پیہم کیے ہیں، وہ بلاشبہہ بہت وقیع اور آب زرّیں سے رقم کرنے کے لائق ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے جد امجد امام العلماء مولانا رضا علی خان، والد ماجد رئیس الاتقیاء مولانا نقی علی خان، اور عظیم بیٹوں کے ساتھ آپ کے گمنام بھائی - مولانا شاہ محمد رضا فاضل بریلوی - بھی کشت علم و کمال کی آبیاری میں اپنا قائدانہ کردار ادا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس طرح اس خانوادے کی ساری شاخیں ہمیں پھل دار اور رشکِ باغ و بہار دکھائی دیتی ہیں۔

حضرت مولانا نقی علی خان علیہ الرحمہ کی شخصیت علم و ادب کے حوالے سے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ اپنے عہد کے ایک ممتاز عالم ربانی، بالغ نظر مفتی، خدا رسیدہ ولی، دور اندیش مفکر، اور صاحبِ طرز ادیب تھے۔ جس طرح آپ نے اپنے والد گرامی کے موروثی علمی خصائص و کمالات کے دائرے کو اپنی خداداد صلاحیتوں سے وسیع سے وسیع تر کیا، اسی طرح آپ کے تینوں صاحب زادگان (اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا، استاذ زمن علامہ حسن رضا اور مولانا محمد رضا بریلوی) نے بھی آپ کی وراثتِ علمی کو آگے بڑھانے میں اپنا سعادت مندانہ کردار ادا کیا، اس طرح آج ہندو پاک ہی نہیں بلکہ دُنیا جہان میں اس علمی خاندان کے ہونہار سپوتوں کی وقیع خدمات کی گونج سنائی دے رہی ہے۔ سرِ دست آپ کے فرزندِ اصغر مولانا شاہ محمد رضا بریلوی کی شخصیت کے حوالے سے یہاں چند باتیں سپردِ قرطاس کی جاتی ہیں۔

آپ مولانا نقی علی خان کے سب سے چھوٹے فرزند ارجمند تھے۔ بریلی کے ایک ایسے علمی

خانوادہ میں آنکھ کھولی، جہاں کشتِ علم وفن سینچی جاتی تھی، اور جہاں فضل وکمال کے سکے ڈھالے جاتے تھے۔ اِبتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ کم سنی کے عالم میں والد ماجد داغِ مفارقت دے گئے اور آپ فیض وکرمِ پدری سے محروم، حالتِ یتیمی میں پروان چڑھے۔ (۱) جب شعور کی آنکھیں کھلیں تو برادر بزرگ کی فیض بخش درس گاہ اور شخصیت ساز تربیت گاہ سے وابستہ ہوگئے اور وہاں سے فردِ فرید اور جوہرِ کامل بن کر اُٹھے۔

مشفق بھائی کی بہترین تعلیم وتربیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ ایک بالغ نظر فاضل اور پختہ فکر عالم بن کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ بلندیِ فکر اور گرمیِ طبع میں آپ اپنی نظیر تھے۔ علومِ معقول ومنقول خصوصاً علم الفرائض میں آپ مہارتِ تامہ اور یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ دارالآفتاب بریلی کا جب دیار واَمصار میں شہرہ ہوا، اور کثرت سے اِستفتے آنے شروع ہوگئے تو فرائض ومیراث سے متعلق مسائل کے فتاوے مولانا محمد رضا خان ہی لکھا کرتے تھے۔ (۲)

غلام علی خان ساکن خواجہ قطب بریلی کی صاحب زادی سکینہ بیگم کے ساتھ آپ کا عقد مناکحت ہوا۔ شادی خانہ آبادی کے پُر کیف موقع پر اُستاذ زمن علامہ حسن رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے فرحت واِنبساط میں ڈوب کر بڑے پیار سے اپنے برادرِ عزیز کا سہرا لکھا، اور خوب لکھا، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے انھوں نے اَشعار کی رگوں میں محاسنِ بلاغت کے ذریعہ برادرانہ محبت واُلفت، اور اِعتقادی رموز ونکات کا شفاف خون دوڑا دیا ہو، اور پھر مقطع میں مولانا نے بڑے فخریہ انداز میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ 'ایک بھائی کے لیے یہ بڑے اعزاز وشرف کی بات ہوتی ہے کہ وہ اپنے ہی بھائی کا سہرا لکھے۔' آپ کے شاہ کار مجموعہ ''ثمرِ فصاحت'' میں یہ موجود ہے۔ اس سہرے کے بعض اَشعار یہاں نمونۃً پیش کیے جاتے ہیں ؎

واہ کیا خوب سجا نوشہ کے سر پر سہرا ❁ ہے مجھے تارِ رگِ جاں کے برابر سہرا
دیکھیں پھولوں کا جو نوشاہ کے سر پر سہرا ❁ بلبلیں گاتی ہوئی آئیں نہ کیوں کر سہرا
گندھنے سے پہلے ہی سب پھول ہنسے دیتے ہیں ❁ آج پھولا نہ سمائے گا مقرر سہرا
چاند سے مکھڑے نے چمکائی ہے اس کی تقدیر ❁ عقد پرویں کو خجل کر دے نہ کیوں کر سہرا
تیرے دیدار کی مشتاق ہے چشم اختر ❁ دیکھ لے سوئے فلک منھ سے ہٹا کر سہرا
جلوہ گر سامنے آئینہ رُخ ہے ہر دم ❁ آج ہے اپنے نصیبے کا سکندر سہرا
ہے اسے عارض رنگیں کی نچھاور لینی ❁ فصل گل لائی ہے پھولوں کا سجا کر سہرا
بارشِ نور برابر ہے ترے چہرے پر ❁ یعنی اک اور بھی ہے سہرے کے اوپر سہرا

سانپ دُشمن کے کلیجہ پہ نہ کیوں کر لوٹیں ❁ دیکھ کر باندھے ہوئے نوشہ کے سر پر سہرا
رشتۂ عمر ہو یا رب مرے نوشہ کا دراز ❁ عرض کرتا ہے یہی سر کو جھکا کر سہرا
تیرے اَعدا کو رہے ذلت و زحمت حاصل ❁ فتح و نصرت کا ہمیشہ ہو ترے سر سہرا
تیرے دُشمن کو ہو شادی میں بھی جلنا حاصل ❁ چھوڑیں بارود کا بد خواہ کے منھ پر سہرا

اے حسنؔ خوبی قسمت سے یہ دن ملتا ہے
کہ کہے اپنے برادر کا برادر سہرا (۳)

یہ رشتہ ازدواج بڑا بابرکت ثابت ہوا۔ اور مولانا موصوف کو بڑی خوش گوار اور دینی زندگی فیض اَزل سے ارزانی ہوئی۔ عین شباب کے عالم میں وفات کر جانے کے باعث صرف ایک صاحب زادی فاطمہ بیگم آپ نے اپنے پیچھے یادگار چھوڑا جو آپ کے چہیتے بھتیجے اور اعلیٰ حضرت کے نورِ دیدہ مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان سے منسوب ہوئیں۔ اس طرح آپ مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے عم محترم بھی تھے اور خسر معظم بھی۔ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری لکھتے ہیں:

> حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب کی شادی چھوٹے چچا جناب مولانا محمد رضا خان صاحب کی اکلوتی صاحب زادی سے ہوئی؛ اسی لیے مولانا محمد رضا خاں صاحب عرف ننھے میاں نے ان کو اپنی اولاد کی طرح رکھا اور شادی کے بعد ان کا رہنا سہنا سب چچا جان کے مکان پر رہا، اور اس وقت تک وہیں قیام فرما ہیں۔ (۴)

آپ کی اس یادگار بیٹی سے سات بیٹیاں، اور ایک صاحب زادے انوار رضا خان ۶ر جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ میں تولد ہوئے؛ مگر ابھی زندگی کی دو بہاریں بھی ٹھیک سے نہ دیکھ پائے تھے کہ قاصد اجل آ پہنچا، اور ۹ر محرم الحرام ۱۳۵۲ھ کو راہی ملک بقا ہوگئے، اپنے پردادا مولانا نقی علی خان کے پائنتی میں مدفون ہیں۔

آپ علم وفضل میں ممتاز ہونے کے ساتھ خانگی معاملات اور حسن انتظامات میں بھی یکتائے دہر تھے۔ جب برادرِ بزرگ اعلیٰ حضرت کو آپ نے علمی مشاغل میں سرتاپا غرق اور فقہ وفتاویٰ میں ہمہ تن مصروف دیکھا تو ان کی خانگی اور جاگیری ذمہ داریوں کو اپنے ذمۂ کرم پر لے لیا۔ اس طرح آپ قوتِ بازوئے اعلیٰ حضرت بن کر اپنی جاگیر کے علاوہ امام احمد رضا کی جاگیر کا انتظام وانصرام بھی کرنے لگے اور اعلیٰ حضرت کو بس خدمتِ دین اور فروغِ علم مبین کے لیے آزاد کر دیا۔ اعلیٰ حضرت بھی جملہ امور میں

آپ پر کلی اعتماد فرماتے تھے۔

خانگی معاملات سے نبرد آزما ہونے کے ساتھ آپ کی دینی دل چسپیاں بھی برقرار رہیں اور آپ نے اپنے علمی وتحقیقی کاموں میں کبھی کوئی کمی نہ آنے دی۔ ترکہ ووراثت کے پر پیچ فتاویٰ تحریر کرنے کے علاوہ آپ برادرِ معظم اعلیٰ حضرت کے مسودات پر نظر ثانی کرتے، ان کی تصنیفات کو ژرف نگاہی سے ملاحظہ کر کے پریس کے حوالے کرتے، اور پھر حسبِ ضرورت ان کی تصدیق وتائید بھی کر دیتے تھے۔ چناں چہ امام احمد رضا محدث بریلوی کے کثیر رسائل وکتب پر آپ کی تائیدی وتصدیقی مہریں اس کا بین ثبوت ہیں۔

آپ کو بہت قریب سے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ مصروف ترین زندگی گزارنے کے باوجود کبھی آپ سے کوئی نماز ترک نہ ہوئی، اور سنِ شعور سے لے کر عمر بھر آپ نے نماز جماعت سے اَدا فرمائی، نتیجتاً اس دُنیا کو خیر آباد کہتے وقت آپ پر کوئی نماز روزہ قضا نہیں تھا۔ اہلِ علم کے لیے اس میں بھر پور عبرت اور بڑا سبق پوشیدہ ہے۔

افسوس کہ زندگی نے وفا نہ کی، اور حیاتِ مستعار نے آپ کو بہت زیادہ مہلت نہ دی؛ ورنہ آپ اپنے علم وکمال کے عہدِ شباب میں یقیناً کسی رومی ورازیِ زمانہ سے کم نہ ہوتے۔ عین عالم شباب میں آپ کا پیمانۂ عمر لبریز ہوگیا، اور جمعرات ۲۱ رشعبان المعظم ۱۳۵۸ھ، مطابق ۵؍اکتوبر ۱۹۳۹ء آپ کی روح کالبدِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ آپ اپنے آبائی قبرستان میں جانبِ شرق لبِ سڑک دفن کیے گئے جس پر مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خان نے مقبرہ تعمیر کرایا تھا۔ (۵)

جناب مولانا شاہ امجد رضا صاحب قادری نوری بریلوی نے آپ کے سانحۂ اِرتحال پُر ملال کی روداد کو مایۂ ناز اخبار الفقیہ امرتسر میں بہت تفصیل سے بیان کیا ہے، جسے یہاں من وعن نقل کر دینا خالی از فائدہ نہ ہوگا :

موتُ العالِم موتُ العالَم

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

برادرِ عزیز سلام مسنون۔ نہایت افسوس کے ساتھ یہ اطلاع دیتا ہوں کہ میرے برادر معظم حضرت جناب مولانا مولوی شاہ محمد رضا خاں صاحب قبلہ قادری برادرِ خرد اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ مولانا مولوی مفتی حاجی حافظ قاری شاہ احمد رضا خان صاحب قبلہ قادری برکاتی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور

چھوٹے حقیقی چچا اور خسر حضرت جناب مولانا مولوی شاہ محمد مصطفیٰ رضا خان صاحب قادری فرزند دوم اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ نے تقریباً ایک سال علیل رہ کر ۲۱ رشعبان المعظم ۱۳۵۸ھ یوم پنج شنبہ کو رات کے دس بجے بعد نماز عشا، نماز اَدا کر کے اِنتقال کیا۔ اناللّٰہ وانا الیہ راجعون.

رات ہی رات میں حضرت مرحوم کے حادثۂ الیمہ کی خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔ صبح سے جوق در جوق مسلمانوں کی آمد شروع ہوگئی۔ تین بجے حضرت مرحوم کے مستقر سے جنازہ کمالِ احترام سے اُٹھایا گیا، مسلمانوں کا اس قدر اژدحام تھا کہ کاندھا دینے والوں کو پلنگ تک پہنچنا دشوار تھا۔ جنازہ کے آگے آگے مشہور نعت خواں حضرات اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ کی مشہور نعت ’کروروں درود‘ اور مقبول غزل ’وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں‘ اپنے موثر ودل کش لحن سے پڑھتے ہوئے چلتے تھے۔ حضرت مرحوم کے خاندانی قبرستان تک جہاں اپنے والدین کریمین کے پاس آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

نمازِ جنازہ حضرت مولانا مولوی محمد عبدالعزیز خاں صاحب محدث نے پڑھائی۔ حضرت صدر الافاضل جناب مولانا الحاج حکیم سید شاہ محمد نعیم الدین قادری مرادآبادی، حضرت جناب مولانا امجد علی صاحب قادری رضوی، حضرت جناب مولانا عبدالعزیز خان صاحب محدث، حضرت جناب مولانا محمد احسان الحق صاحب نعیمی بہرائچی، حضرت جناب مولانا سردار احمد صاحب قادری، حضرت جناب مولانا احمد یار خاں صاحب ایسے فضلاے عظام وعلماے کرام نے اذانیں پڑھیں۔ مجمع میں ہر درجہ کے مسلمان موجود تھے۔ حضرت جناب مولانا ابرار حسن صاحب اور حضرت جناب مولانا مولوی مفتی نواب مرزا صاحب قادری رضوی غرضیکہ حضرات علماے اعلام کا بڑا شان دار مجمع تھا۔

حضرت موصوف کے تقدس وفضائل کے اندازہ کے لیے غالبًا اتنا لکھنا کافی ہوگا کہ سنِ شعور سے عمر بھر نماز جماعت سے اَدا فرمائی، اور اس دُنیا کو خیر باد کہتے وقت آپ پر کوئی نماز روزہ قضا نہیں۔ حضرت مولانا مرحوم کے انتقال کا جو صدمہ سارے خاندان کو ہوا ہے وہ لا بیان ہے۔ اب بزرگوں میں کوئی باقی نہیں رہا۔ مولا عزوجل حضرت مرحوم کے ورثا اور تمام اعزاے عظام کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، جن سے مجھے پوری دلی ہم دردی ہے۔

اس وفاتِ حسرت آیات کی خبر کو درجِ اخبار کرنے کے بعد ایڈیٹر حکیم معراج الدین نے اس پر خصوصی تعزیتی نوٹ یوں تحریر کیا :

الفقیہ : ہمیں جناب قبلہ مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات سے جو رنج والم ہوا ہے وہ تحریر سے باہر ہے۔ افسوس ہے کہ دُنیا ذواتِ قدسیہ سے خالی ہو رہی ہے۔ میں حضرت

مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فاضل و یکتائے روزگار عالم باعمل داماد و بھتیجے حضرت مولانا مولوی شاہ محمد مصطفیٰ رضا خان قبلہ قادری مدظلہ سے اس ناقابل تلافی صدمۂ عظیم میں دلی ہم دردی کا اظہار کرتے ہوئے دُعاے مغفرت پڑھتا ہوں اور اپنے غفورٌ رحیم خدا سے ملتجی ہوں کہ وہ آپ کو حادثۂ الیمہ میں صبر وشکر کی توفیق عطا فرمائے، اور حضرت مرحوم کو جنات عالیات کرامت فرمائے۔(۶)

☆☆☆

مراجع

(۱) ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ نے حیاتِ اعلیٰ حضرت میں مولانا نقی علی خان کے تلامذہ ومستفیدین کی جوفہرست دی ہے اس میں مولانا محمد رضا خان کو بھی شمار کیا ہے۔ حالاں کہ والد ماجد کے وصال کے وقت آپ مشکل سے کوئی چار سال کے رہے ہوں گے۔ ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ مولانا نقی علی خان نے آپ کی رسم بسم اللہ کرائی ہو تو اس اِعتبار سے آپ کو ان میں تلامذہ میں شامل مان لیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) مولانا نقی علی خان حیات اور علمی واَدبی کارنامے، از ڈاکٹر محمد حسن: ۵۹

(۳) ثمرِ فصاحت، از مولانا حسن رضا بریلوی: ص ۱۷۱، مطبع اہلِ سنت وجماعت بریلی

(۴) حیاتِ اعلیٰ حضرت: ۱/۱۸ مطبوعہ: مکتبۂ رضویہ فیروز شاہ اسٹریٹ، آرام باغ کراچی

(۵) مولانا نقی علی خان حیات اور علمی واَدبی کارنامے: ۵۹

(۶) اخبار الفقیہ امرتسر: ص: ۴، کالم: ۱-۳، بابت ۱۴/اکتوبر ۱۹۳۹ء، بحوالہ 'وفیات الفقیہ معروف بہ تذکرۂ مشاہیر الفقیہ' مرتبہ محمد افروز قادری چریاکوٹی

☆☆☆

تقاریب میں کتابیں تقسیم کریں

اہلِ سنت کے فروغ کے لیے اپنی تقاریب، محافل میں جہاں شیرینی تقسیم کرتے ہیں، وہیں دینی کتب ورسائل اور عقائد واعمال کی اصلاح کے لیے لٹریچر کی بلا قیمت تقسیم کریں۔ یہ دین کی خدمت بھی ہے اور موجودہ زمانے کی ضرورت بھی۔

حسام الحرمین اور مشائخ نقشبندیہ

امام احمد رضا کے فتاویٰ پر نقشبندی تصدیقات

غلام مصطفیٰ رضوی

نوری مشن مالیگاؤں

gmrazvi92@gmail.com

رسولِ گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے مسلمانوں کا رشتۂ رُوح کا ہے۔ ناموسِ رسالت کا مسئلہ ہر زمانے میں مسلمانوں کے مابین حساس رہا ہے اور جب بھی عقیدے کے اِس پہلو پر آنچ آئی مسلمان تڑپ اُٹھے۔ جانوں کا نذرانہ پیش کر کے رسولِ گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت واُلفت کا بھرپور اظہار کیا اور گستاخِ رسول کو کیفرِ کردار تک پہنچا کر ہی دَم لیا۔ حفظِ ناموسِ رسالت کو ہر فرض سے اہم فرض جانا۔ علامہ ارشد القادری لکھتے ہیں:

''حبِ رسول کی وارفتگی کا یہ رُخ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کسی گستاخ کے خلاف غم وغصہ اور نفرت وغضب کے اظہار کے سوال پر کبھی یہ نہیں دیکھا کہ نشانے پر کون ہے؟ باہر کا ہو یا اندر کا جس نے بھی رسول کی شان میں گستاخانہ جسارت کا اظہار کیا مسلمانوں کی غیرتِ ایمانی کی تلوار اُس کے خلاف بے نیام ہوگئی.....علماے دیوبند کے خلاف بھی ہمارے غم وغصہ کی سب سے بڑی بنیاد یہی ہے کہ اُن کے اکابر نے اپنی بعض کتابوں میں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں سخت گستاخانہ کلمات استعمال کیے ہیں۔'' (الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۶۔۷، مقدمہ)

علماے دیوبند کی وہ کتابیں جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں توہین صادر ہوئی، ان پر علماے حق نے باز پرس کی اور ان عبارتوں سے باز آنے کی گزارش کی لیکن بجائے ندامت و توبہ کے وہ ہٹ دھرمی کے ساتھ ان پر قائم رہے اور اپنی گستاخانہ عبارتوں کی بے جا تاویلیں کرتے رہے۔

ہندوستان میں وہابیت کا آغاز:

ہندوستان میں وہابیت کا آغاز شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' سے ہوا۔ اس وقت اکابرینِ اسلام نے اس کا رد کیا۔ اس کتاب کی تعریف میں مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی لکھتے ہیں:

''کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے۔''

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں: ''اس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے۔

''(فتاویٰ رشیدیہ، مولوی رشید احمد گنگوہی، فرید بک ڈپو دہلی، س ن، ص ۷۸)

شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی ''تقویۃ الایمان'' سے متعلق لکھتے ہیں:

''حضرت مجدد (الف ثانی) کے زمانے سے ۱۲۴۰ھ تک ہندوستان کے مسلمان دو فرقوں میں بٹے رہے: ایک اہلِ سنت و جماعت، دوسرے شیعہ۔ اب مولانا اسماعیل دہلوی کا ظہور ہوا، وہ شاہ ولی اللہ کے پوتے اور شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے بھتیجے تھے۔ ان کا میلان محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرف ہوا اور نجدی کا رسالہ ''ردالاشراک'' ان کی نظر سے گزرا اور انھوں نے اردو میں ''تقویۃ الایمان'' لکھی، اس کتاب سے مذہبی آزاد خیالی کا دور شروع ہوا، کوئی غیر مقلد ہوا، کوئی وہابی بنا، کوئی اہلِ حدیث کہلایا، کسی نے اپنے کو سلفی کہا، ائمہ مجتہدین کی جو منزلت تھی اور احترام دل میں تھا وہ ختم ہوا۔ معمولی نوشت و خواند کے افراد امام بننے لگے۔ اور افسوس اس بات کا ہے کہ توحید کی حفاظت کے نام پر بارگاہِ نبوت کی تعظیم و احترام میں تقصیرات کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ یہ ساری قباحتیں ماہ ربیع الآخر ۱۲۴۰ھ کے بعد سے ظاہر ہونی شروع ہوئی ہیں۔ اس وقت کے تمام جلیل القدر علما کا دہلی کی جامع مسجد میں اجتماع ہوا اور ان حضرات نے بہ اتفاق اس کتاب کا رد کیا۔''

(مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان، شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی، حضرت شاہ ابوالخیر اکاڈمی دہلی ۶، ۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱ء، ص ۹۔۱۰)

مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی ''وہابیت'' سے متعلق لکھتے ہیں:

''اس وقت اور ان اطراف میں ''وہابی'' متبعِ سنت اور دین دار کو کہتے ہیں۔''

(فتاویٰ رشیدیہ، فرید بک ڈپو دہلی، س ن، ص ۱۱۰)

''محمد بن عبدالوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں وہ اچھا آدمی تھا۔''

(فتاویٰ رشیدیہ، فرید بک ڈپو دہلی، س ن، ص ۲۸۰)

''محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں ان کے عقائد عمدہ تھے۔'' (مرجع سابق)

شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی ''وہابیت'' کی ''دیوبندی شاخ'' سے متعلق لکھتے ہیں:

''جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ میں حضرت حاجی (امداداللہ) صاحب رحلت فرمائے خلد بریں ہوئے۔ اب مولوی (اشرف علی تھانوی) صاحب کے واسطے راستہ صاف ہوا۔ ان پر نئی تحقیق کی راہیں

کھل گئیں۔ سب سے پہلے انھوں نے علم غیب کے مسئلہ کو چھیڑا اور رسالہ ''حفظ الایمان'' لکھ کر بے حساب غلامانِ بارگاہِ رسالت کو ایذا پہنچائی۔ یہ واقعہ ۱۳۱۹ھ کے اوائل کا ہے۔''

(مقاماتِ خیر ۱۳۹۲ھ، شاہ ابوالحسن زید فاروقی، شاہ ابوالخیر اکاڈمی دہلی ۱۹۸۹ء، ص ۲۴۳)

حسام الحرمین:

علمائے حق نے اپنی ذمہ داری سمجھ کر علمائے دیوبند اور برصغیر میں پنپ رہے باطل عقائد پر شرعی گرفت کرتے ہوئے انھیں سمجھانے کی کوشش کی اور آخرت کا خوف دلایا۔ جب دیکھا کہ وہ جنبش کو تیار نہیں تو پھر ان کا شرعی مواخذہ کیا۔ ان علمائے ربانیین میں ایک نام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی (ولادت ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء- وصال ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) کا ہے۔ آپ نے ان عقائد و گستاخیوں سے متعلق تنبیہ و توبہ کی ترغیب کے بعد دینی ضرورت سمجھتے ہوئے علمائے حرمین کی خدمت میں بلا کم و کاست گستاخانہ عبارتوں کو پیش کیا اور حکم شرع واضح کرتے ہوئے علمائے حرمین سے تصدیق چاہی۔ اس کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ علامہ فضل رسول بدایونی (م ۱۲۸۹ھ) کی کتاب ''المعتقد المنتقد'' پر امام احمد رضا نے حاشیہ لکھا بہ نام ''المعتمد المستند''، اس کا خلاصہ امام احمد رضا نے دوسرے سفر حج ۱۳۲۳ھ میں علمائے حرمین کی خدمت میں پیش کیا اور اس میں ہندوستان میں پیدا ہونے والے فرقوں مثلاً قادیانی، نیچری، وہابی، دیوبندی، غیر مقلد وغیرہم کے عقائد ذکر کیے۔ جس پر ۳۳ر علمائے حرمین نے مذکورہ فرقوں پر فتاویٰ کفر صادر فرمایا جس کی اشاعت ''حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین'' (۱۳۲۴ھ) کے نام سے ہوئی۔

فتاویٰ حسام الحرمین کی اشاعت عربی میں ہوئی جب کہ اردو اور انگریزی تراجم بھی ہندو پاک سے بار بار شائع ہو چکے ہیں اور ساری دُنیا میں ان کی مقبولیت ہے۔

الصوارم الہندیہ:

علمائے حرمین کی تصدیقات ''حسام الحرمین'' کے نام سے شائع تھیں۔ اعلیٰ حضرت کے وصال (۱۳۴۰ھ) کے پانچ سال بعد ۱۳۴۵ھ میں مولانا حشمت علی خان قادری نے ان فتاویٰ پر علما و مشائخِ برِصغیر کی تصدیقات لیں اور ان کی اشاعت ''الصوارم الہندیہ'' (۱۳۴۵ھ) کے نام سے کی۔ راقم کے پیشِ نظر ''الصوارم الہندیہ'' کا جو ایڈیشن ہے وہ نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور کا شائع کردہ ہے۔ اس میں ۲۶۸ر تصدیقات موجود ہیں۔

ان سطور میں یہ بتانا مقصود ہے کہ فرق ہائے باطلہ کی تردید و مخالفت میں جہاں دوسرے سلاسلِ طریقت کے مشائخ و علما کا اہم رول رہا ہے وہیں سلسلۂ مبارکہ نقشبندیہ سے وابستہ اکابر نے بھی

اہلِ سنت کی اشاعت کے ساتھ ساتھ باطل عقائد کی کھلی مخالفت کی اور فتاوے وتصدیقات جاری کیں۔آج کل وہابی دیوبندی اپنی حقیقت چھپا کر’’منافقت‘‘ سے کام لیتے ہیں اور کبھی نقشبندی، قادری یا چشتی کہلوا کر بھولے بھالے مسلمانوں کو دیوبندی بنانے کی کوششیں کرتے ہیں، یہی حال ان کی تبلیغی جماعت کا بھی ہے۔اس ضمن میں سید اکرام حسین سیکری (سجادہ نشین خانقاہ عالیہ سیکر شریف میرپورسندھ) کے نام (مکتوب محررہ ۲۳؍دسمبر ۲۰۰۳ء میں) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی لکھتے ہیں:

’’یہ آپ نے صحیح فرمایا کہ سلسلۂ نقشبندیہ میں وہابیہ دیوبندیہ داخل ہوگئے ہیں۔فقیر نے ’’جہانِ امام ربانی‘‘ میں اس کا ازالہ کیا ہے۔بلکہ شروع ہی میں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کا ذکر کردیا ہے اور اپنے ابتدایے میں یہ واضح کیا ہے کہ وہابیہ دیوبندیہ نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ (کی تعلیمات) کا استحصال کیا ہے اور دوسری طرف امام احمد رضا نے۔تعلیمات مجددیہ۔کو فروغ دیا۔‘‘

(مکتوباتِ مسعودی، عبدالستار طاہر، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۵ء، ص ۶۷۔۶۸)

امام احمد رضا محدث بریلوی نے’’حسام الحرمین‘‘ کی اشاعت کروائی۔جس پر علماے دیوبند کی طرف سے کفریہ عبارتوں کی تاویل کی کوشش میں’’المہند‘‘(ازمولوی خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی) شائع ہوئی۔اس کے حقائق کا پردہ چاک کرتے ہوئے شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی لکھتے ہیں:’’المہند نے حفظ الایمان کی عبارت کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے:’’اس غیب سے مراد کیا ہے۔یعنی غیب کا ہر ہر فرد یا بعض غیب، کوئی کیوں نہ ہو، پس اگر بعض غیب مراد ہے تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص نہ رہی۔کیوں کہ بعض غیب کا علم اگرچہ تھوڑا سا ہو، زید وعمرو بلکہ ہر بچہ اور دیوانہ بلکہ جملہ حیوانات اور چوپاؤں کو بھی حاصل ہے۔‘‘ اور اسی عبارت کو عربی جامہ پہنایا ہے۔رسالہ حفظ الایمان میں جو عبارت ہے، یہ عاجز نقل کر چکا ہے۔دونوں عبارتوں کے الفاظ میں بڑا فرق ہے۔اور خرابی کی جڑ’’کلمۂ ایسا‘‘ ہے کو معرب ومترجم صاحب نے حذف کردیا ہے۔عبارت کو ان ہی الفاظ سے جو حفظ الایمان میں ہیں، نہ لکھنا اور خرابی کی جڑ کو حذف کرنا، ظاہر کررہا ہے کہ خود معرب ومترجم کو پورا کھٹکا تھا کہ اگر وہی الفاظ بیان کیے گئے اور انھیں کو عربی کا لباس پہنایا گیا تو یقیناً علماے کرام کی آرا موافقت میں نہیں آئیں گی۔‘‘

(مقاماتِ خیر ۱۳۹۲ھ، شاہ ابوالحسن زید فاروقی، شاہ ابوالخیر اکاڈی دہلی ۱۹۸۹ء، ص ۲۴۵)

مشائخ نقشبندیہ اور اہلِ سنت:

مشائخ نقشبندیہ نے ہر دور میں عقائد ومعمولاتِ اہلِ سنت کی حفاظت کے لیے سرگرمی دکھائی اور فرق ہاے باطلہ کی تردید کی۔اہلِ سلسلہ کو فتنۂ وہابیہ سے باخبر کیا۔اس ضمن میں چند مثالیں ملاحظہ کریں:

[۱] حضرت حاجی دوست محمد نقشبندی قندھاری تحریر فرماتے ہیں:’’ولی کی علامت یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ اہلِ سنت والجماعت کے اعتقادات پر ثابت قدم ہو اور باقی سب اہلِ قبلہ یعنی شیعہ، وہابیہ، رافضیہ وغیرہ وغیرہ فرقوں کے اعتقادات سے دور رہتا ہو۔‘‘

(تحفۂ ابراہیمیہ؛ مکتوباتِ مولانا دوست محمد قندھاری، اردو ترجمہ: محمد احمد، طبع زوار اکیڈمی کراچی جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۹۳)

حضرت دوست محمد قندھاری نقشبندی؛ خان ملا خان کے نام مکتوب (محررہ ربیع الآخر ۱۲۸۱ھ) میں لکھتے ہیں:

’’عرض یہ ہے کہ دس رسالے جو فرقۂ وہابیہ کے اقوال وعقائد کے رد کرنے کے سلسلہ میں تحریر کیے گئے ہیں وہ اس فقیر کو دست یاب ہوئے ہیں۔چنانچہ آپ کی خدمت میں ارسال کیے جارہے ہیں، ان شاءاللہ آپ کو مل جائیں گے۔آپ کو چاہیے کہ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین متین کی ترقی کے لیے ان رسالوں کو رائج کریں۔فقیر دعا گو ہے کہ رب جلیل آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے اور اللہ جل شانہٗ شریعت مطہرہ اور اہلِ سنت وجماعت کے عقائد پر سلامتی نصیب فرمائے۔‘‘

(تحفۂ ابراہیمیہ؛ مکتوباتِ مولانا دوست محمد قندھاری، اردو ترجمہ: محمد احمد، طبع زوار اکیڈمی کراچی جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۱۶۸۔۱۶۹)

وہابی فرقے کی تردید ومخالفت میں رسائل کی اشاعت کی ترغیب حضرت دوست محمد قندھاری نقشبندی نے ۱۲۸۱ھ میں دی اس وقت اعلیٰ حضرت کی عمر صرف ۱۰؍سال تھی۔شیخ نقشبندیت نے اعلیٰ حضرت کے فتاوے سے قبل ہی وہابیت سے بیزاری کا اظہار کیا۔

[۲] ۱۳۴۱ھ کے میلاد سے متعلق شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی لکھتے ہیں:’’ میلاد شریف کے مخالف اور اس کو کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کہنے والے افراد جیسے مولوی اشفاق الرحمٰن اور صدر بازار دلی کے اہلِ حدیث جو اچانک آزمائش کے لیے اس مبارک محفل میں آگئے تھے اور یہی کہتے ہوئے گئے کہ بڑی بابرکت محفل تھی تو پھر نیک دل افراد پر اگر بعض حقائق کا اظہار ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔‘‘

(مقاماتِ خیر ۱۳۹۲ھ، شاہ ابوالحسن زید فاروقی، شاہ ابوالخیر اکاڈی دہلی ۱۹۸۹ء، ص ۳۸۱)

میلاد سے متعلق شاہ ابوالخیر مجددی دہلوی کا یہ قول ہے کہ:’’ہم یہ مبارک محفل (میلاد) اس لیے منعقد کرتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہو۔آپ کی محبت اصلِ ایمان ہے۔اس اصل ہی کو حاصل کرنے کے لیے اس مبارک محفل کا قیام کیا جاتا ہے۔‘‘

(مقاماتِ خیر۱۳۹۲ھ، شاہ ابوالحسن زید فاروقی، شاہ ابوالخیرا کاڈی دہلی ۱۹۸۹ء، ص ۴۴۳)

[۳] حضرت شاہ احمد سعید مجددی مہاجر مدنی فرماتے ہیں: ''مکہ مکرمہ کے یکتائے روزگار مفسر محدث مولانا عبداللہ سراج حنفی جن کے حلقۂ درس میں اس نومولود فرقہ (وہابیہ) کا سردار نہ صرف بازانوئے ادب حاضر ہوا کرتا تھا بلکہ آپ کی جامعیت کا معترف بھی تھا، نے بھی - قیام - کے مستحسن ہونے کا فتویٰ دیا ہے، آپ کا مُہر زدہ فتویٰ راقم (شاہ احمد سعید مجددی) کے پاس موجود ہے، جو چاہے دیکھ سکتا ہے۔''

(اثبات المولد والقیام، شاہ احمد سعید مجددی، مترجم مولانا محمد رشید نقشبندی، مرکزی مجلس رضا لاہور اکتوبر ۱۹۸۰ء، ص ۳۰)

حضرت شاہ احمد سعید مجددی کے فرزند گرامی حضرت شاہ محمد مظہر نقشبندی مجددی مہاجر مدنی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

ولم یذکر احدا بالسوء الا الفرقة الضالة الوهابية لتحذير الناس من قباحة افعالهم واقوالهم

پھر اسی صفحہ پر حاشیہ میں لکھتے ہیں: **وکان قدس سره يقول ادنى ضرر صحبتهم ان محبة النبى صلى اللّٰه عليه وسلم التى هى من اعظم اركان الايمان تنقص ساعة فساعة حتى لا يبقٰى منها غير الاسم والرسم فكيف يكون اعلاه فالحذر الحذر عن صحبتهم ثم الحذر الحذر عن رؤيتهم .اه فاحفظه (منه)**

حضرت شاہ احمد سعید قدس سرہٗ کسی کی برائی نہیں کرتے تھے سوائے وہابیہ کے گم راہ فرقہ کے، تاکہ لوگوں کو ان کے افعال واقوال کی قباحت سے ڈرائیں، حضرت فرمایا کرتے تھے کہ وہابیوں کی صحبت کا معمولی نقصان یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت جو ایمان کے بڑے ارکان میں سے ہے، لحظہ بہ لحظہ کم ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ نام ونشان کے علاوہ کچھ بھی نہیں رہ جاتا، جب معمولی ضرر کا یہ حال ہے تو بڑے نقصان کا کیا عالم ہوگا؟ لہٰذا ان کی صحبت سے بچو، ضرور بچو، بلکہ ان کی صورت تک دیکھنے سے ضرور بالضرور اجتناب کرو۔

(محمد مظہر مہاجر مدنی، مولانا شاہ، المناقب الاحمدیہ والمقامات السعیدیہ، مطبوعہ قزان ۱۸۹۶ء، ص ۱۷۶- تحقیق الفتویٰ، مقدمہ از علامہ عبدالحکیم شرف قادری، المجمع الاسلامی مبارک پور ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء، ص ۳۵-۳۶)

نوٹ: مقاماتِ سعیدیہ- پہلے فارسی میں ۱۲۷۷ھ میں دلی کے اکمل المطابع میں چھپی، پھر عربی میں

۱۳۱۲ھ میں قزان میں چھپی۔

(مقاماتِ خیر۱۳۹۲ھ، شاہ ابوالحسن زید فاروقی، شاہ ابوالخیرا کاڈی دہلی ۱۹۸۹ء، ص ۸۸)

[۴] مولانا شاہ محمد معصوم مجددی ابن عبدالرشید (م ۱۳۴۱ھ) نے میلاد کے جواز پر ''احسن الکلام فی اثبات المولد والقیام'' (تالیف ۱۳۰۵ھ) نام سے کتاب لکھی۔

آج کل سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کو ''دیوبندی'' بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ حالاں کہ اکابرِ نقشبندیہ کے عقائد وہی تھے جن کی تصریحات امام احمد رضا کی کتب وفتاویٰ میں ملتی ہیں، وہ بھی معمولاتِ اہلِ سنت پر کاربند تھے، بلکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی ولادت سے کافی پہلے جب وہابی تحریک کا آغاز ہوا اس وقت اکابرِ نقشبندیہ نے وہابیت کی تردید وبیخ کنی میں فتاوے صادر فرمائے، کتابیں تصنیف کیں، دیابنہ کے عقائد باطلہ اجاگر کیے۔ علما کی کتابوں پر تصدیقات ثبت کیں۔

اس تحریر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے مشہور فتاویٰ ''حسام الحرمین'' پر علما ومشائخ نقشبندیہ کی تصدیقات دکھانا مقصود ہے۔ اس لیے اسی رُخ سے نکات درج کیے جارہے ہیں۔

علما ومشائخ نقشبندیہ کی تصدیقات:

[۱] پیر جماعت علی شاہ نقشبندی:

سلسلۂ نقشبندیہ کی عظیم وقدیم خانقاہ ''علی پور شریف'' کے بزرگ حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری - حسام الحرمین - کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حسام الحرمین کے فتاویٰ حق ہیں اور اہلِ اسلام کو ان کا ماننا اور ان کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ جو شخص ان کو تسلیم نہیں کرتا وہ راہِ راست سے دور ہے، حضرت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان مبارک میں جو شخص عمداً وسہواً بھی گستاخی کرے اور آپ کی ادنیٰ توہین وتنقیص کا تقریراً یا تحریراً مرتکب ہو وہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے۔''

(الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۵۵)

پیر جماعت علی شاہ نقشبندی محدث علی پوری کی اس تحریر پر مولانا محمد حسین (مہتمم مدرسۂ نقشبندیہ علی پور سیداں)، محمد کرم الٰہی بی اے، مولانا خان محمد وغیرہم کے دستخط ہیں۔

[۲] مولانا دیدار علی الوری رحمانی نقشبندی:

مولانا دیدار علی الوری رضوی نقشبندی مجددی (سابق خطیب ومدرس مسجد وزیر خان لاہور)

تحریر فرماتے ہیں: ''حسام الحرمین جو فتویٰ علمائے حرمین شریفین ہے، وہ سرتاپا حق و بجا ہے۔ اور جن اقوال پر فتویٰ دیا گیا ہے فریقین میں منصف کو ان کی کتابوں سے ان اقوال کو مطابق کر کے دیکھنا کافی ہے۔''

(الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۵۸)

اس پر مزید دستخط کنندگان میں مولانا سید فضل حسین نقشبندی مجددی گجراتی، سید عبدالرزاق نقشبندی مجددی حیدرآبادی، حاجی احمد نقشبندی شامل ہیں۔

[۳] حضرت قاضی فضل احمد نقشبندی مجددی لدھیانوی:

حضرت قاضی موصوف تحریر فرماتے ہیں: ''تمام مسلمانانِ اہلِ سنت و جماعت کو کتاب مستطاب ''حسام الحرمین'' کے مندرجہ فتاویٰ کو مان کر ان پر عمل پیرا ہونا لازم ہے۔ اس کے سوا ایک دیگر کتاب ''تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل'' (تصنیف از مولانا غلام دستگیر قصوری ہاشمی نقشبندی مجددی) مصدقہ علما و مفاتی ائمہ اربعہ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا و تعظیماً میں بھی اسی طرح لکھا ہے جیسے کہ کتاب ''حسام الحرمین'' یہ بات طے شدہ ہے کہ عقائد و اقوال مندرجۂ استفتا کلماتِ کفریہ ہیں۔''

(الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۶۸)

[۴] مفتی اعظم دھلی مفتی شاہ مظہر اللہ نقشبندی:

مفتی شاہ مظہر اللہ نقشبندی مجددی (سابق شاہی امام مسجد فتح پوری دہلی) لکھتے ہیں: ''اس عاجز کا یہ کہاں زہرہ کہ حضرات علمائے کرام حرمین شریفین کے مخالف جنبش لب کشائی کر سکے، ان حضرات نے جو کچھ فرمایا حق و واجب العمل ہے۔''

(الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۶۸)

مفتی صاحب کے فرزند پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی لکھتے ہیں: ''حضرت (مفتی محمد مظہر اللہ نقشبندی دہلوی-م ۱۹۶۶ء) کے نقش قدم ہمارے سامنے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے جن حضرات کی تکفیر فرمائی۔ حضرت قبلہ نے ''الصوارم الہندیہ'' میں اس کی تائید فرمائی۔ اور مسلک کی علامت اور نشانی بن گئے۔ فقیر نے بھی یہی روش اختیار کی اور اغیار سے نہ کبھی مفاہمت کی اور نہ کسی کو یہ مشورہ دیا۔''

(مکتوباتِ مسعودی، عبدالستار طاہر، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۵ء، ص ۴۷۲-۴۷۳)

[۵] مولانا نبی بخش حلوائی نقشبندی:

پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی نقشبندی علی پوری کے خلیفہ مولانا نبی بخش حلوائی نقشبندی (م ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۵ء-مصنف تفسیر نبوی، بزبان پنجابی) مرید مولانا غلام دستگیر قصوری ہاشمی نقشبندی اپنی تصدیق میں لکھتے ہیں:

''جو شخص گنگوہی و تھانوی و دیوبندی مذکورین کا معتقد ہو وہ ضرور وہابی، کافر و مرتد ہے۔ اس کی کلمہ گوئی و قبلہ روئی وغیرہ کا کوئی اعتبار نہیں وہ قولہ تعالیٰ و من الناس من یقول امنا باللّٰہ و بالیوم الآخر و ماھم بمومنین کا مصداق ہو کر اہلِ اسلام سے خارج ہو گیا۔ گو بظاہر مسلمان کہلائے۔

.....دیوبندی علما آدم نما ابلیس ہیں۔ مسلمانوں کی بولی بول کر کافر بناتے ہیں۔''

(الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۷۵-۷۶)

[۶] مولانا محمد ریحان حسین عمری مجددی:

مولانا محمد ریحان حسین مجددی (مدرس: مدرسہ ارشاد العلوم رام پور) فرماتے ہیں: ''فتاویٰ حسام الحرمین یقیناً قابلِ عمل ہے اور صحیح ہے۔''

(الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۷۷)

[۷] مولانا محمد نورالحسین نقشبندی مجددی رام پوری:

مولانا موصوف لکھتے ہیں: ''حسام الحرمین میں جن علمائے حرمین شریفین اہل السنۃ والجماعۃ کے فتوے ہیں وہ حق اور صواب ہیں۔''

(الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۱۰۰)

[۸] مولانا محمد معوان حسین مجددی رام پوری:

خانوادۂ مجدد الف ثانی کے فردِ فرید شاہ احمد سعید نقشبندی دہلوی کے شاگرد و مرید مولانا شاہ ارشاد حسین مجددی رام پوری کے فرزند مولانا محمد معوان حسین مجددی رام پوری (مدرسہ ارشاد العلوم) لکھتے ہیں:

''حسام الحرمین کے احکام حسبِ نقول صحیحہ معتبرہ لازم الاتباع ہیں۔''

(الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی

لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۱۰۱)

یوں ہی دیگر علماے سلسلۂ نقشبندیہ میں مولانا سید غیاث الدین بن مولانا سید غلام محی الدین نقشبندی (سورت)، مولانا محمد حسن عرب المدنی المغربی السوسی القادری النقشبندی الفضل الرحمانی، مولانا فقیر محمد حسن فاروقی مجددی وغیرہم نے بھی فرق ہاے باطلہ وہابیہ دیابنہ کی تردید کی اور اہلِ سنت پر استقامت کی تلقین کی۔

مولانا شاہ عبدالغنی مجددی کے شاگرد شیخ عثمان بن عبدالسلام داغستانی (م ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء مدینہ منورہ) نے امام احمد رضا کی کتب الدولۃ المکیۃ، حسام الحرمین وفتاویٰ الحرمین نیز تقدیس الوکیل (از مولانا غلام دستگیر قصوری ہاشمی نقشبندی) پر تقاریظ لکھیں۔

(تاریخ الدولۃ المکیۃ، عبدالحق انصاری، بہاء الدین زکریا لائبریری چکوال ۲۰۰۶ء، ص ۱۱۶)

مولانا شاہ عبدالغنی مجددی کے شاگرد مولانا محمود بن صبغۃ اللہ مدراسی نے امام احمد رضا کی تصنیف الدولۃ المکیۃ پر تقریظ لکھی۔ آپ حضرت شاہ محمد مظہر نقشبندی مجددی ابن حضرت شاہ احمد سعید مجددی کے مرید تھے۔

(تاریخ الدولۃ المکیۃ، عبدالحق انصاری، بہاء الدین زکریا لائبریری چکوال ۲۰۰۶ء، ص ۱۲۷)

مزید جستجو کی جائے تو فروغِ اہلِ سنت کے لیے نقشبندی تعلیمات اور مشائخِ نقشبندیہ کے کافی اقوال مل جائیں گے۔ اس پہلو سے راقم کی ایک کتاب ''مشائخ نقشبندیہ: عقائد وافکار'' جلد ہی شائع ہو گی۔ جس میں باطل فرقوں کے استیصال میں علما ومشائخِ نقشبندیہ کا کردار اور عقائد ومعمولاتِ اہلِ سنت کے تحفظ کے لیے علمی وعملی وتحریری خدمات پر صراحت و وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کتاب کے اندر درجنوں ملفوظات ایسے درج کیے ہیں جن میں وہابیہ سے بچنے کی تلقین وتاکید ہے اور سلسلۂ نقشبندیہ کی اصل تعلیمات جو مسلک اہلِ سنت کے مطابق ہے پر سختی سے گامزن رہنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ اسی طرح اس میں ''دیوبندی'' نقشبندی تعلیمات سے منحرف ہیں پر شواہد ودلائل پیش کیے گئے ہیں۔

اللہ کریم ہمیں مسلک اہلِ سنت جسے شناخت کے لیے مسلکِ اعلیٰ حضرت بھی کہا جاتا ہے، پر استقامت عطا فرمائے اور مشائخِ کرام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔

ترے غلاموں کا نقشِ قدم ہے راہِ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

☆☆☆

مولانا پروفیسر حاکم علی نقشبندی اور امام احمد رضا محدثِ بریلوی

میثم عباس قادری رضوی، لاہور

ضروری نوٹ: یہ مقالہ ''امام احمد رضا اور پروفیسر حاکم علی نقشبندی'' کے نام سے ماہ نامہ ''معارفِ رضا، کراچی'' بابت جولائی ۲۰۱۳ء میں شائع ہو چکا ہے، اب کی بار اس مقالہ کو ترمیم واضافہ جات کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ میثم قادری

پروفیسر مولانا حاکم علی نقشبندی کا مختصر تعارف:

پروفیسر مولانا حاکم علی مجددی ضلع ہوشیار پور (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان سکھ مذہب کا پیروکار تھا لیکن بفضلِ مولیٰ تعالیٰ انہوں نے اپنے خاندان سمیت اسلام قبول کر کے اپنا نام ''حاکم علی'' رکھ لیا۔ قرآنِ پاک کی تعلیم آپ نے گورداس پور سے حاصل کی اور وہیں سے میٹرک پاس کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لیے لاہور تشریف لے آئے اور ایف سی کالج لاہور سے بی۔ اے تک تعلیم حاصل کی۔ یہ آپ کی ذہانت کا منھ بولتا ثبوت ہے کہ آپ نے تمام امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کیے۔

بعد ازاں آپ ایف سی کالج لاہور ہی میں شعبۂ ریاضی کے پروفیسر کی حیثیت سے تعینات ہو گئے، قریباً سات سال وہاں تدریس کرنے کے بعد آپ نے اسلامیہ کالج، لاہور میں تدریس شروع کی۔ یہاں سات سال تدریس کرنے کے بعد آپ گورنمنٹ ہائی اسکول جہلم میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے، تقریباً دو سال اس اسکول میں خدمات انجام دیں۔ انجمن حمایتِ اسلام لاہور کی پُرزور خواہش پر آپ نے دوبارہ ۱۹۰۷ء میں اسلامیہ کالج میں ۵۸۱/روپے ماہوار پر تدریس شروع کی۔ ۱۹۲۰ء میں آپ نے کالج کو خیر باد کہہ دیا۔

حضرت مولانا حاکم علی کی ایک ہی بیٹی تھی جس کا نام مسماۃ غلام سکینہ (متوفیہ ۱۹۶۴ء، مدفون موضع آدھن ضلع قصور) تھا۔

مولانا حاکم علی کے سنِ وصال کے متعلق مؤلف ''تذکرہ علماے اہلِ سنت'' کی غلطی:

حضرت مولانا حاکم علی مجددی علیہ الرحمہ کے وصال کے متعلق ''تذکرہ علماے اہلِ سنت وجماعت، لاہور'' میں ان کا سنِ وصال ۱۹۴۴ء درج ہے جب کہ مولانا غلام دستگیر نامی صاحب

کی ۱۹۳۷ء میں شائع ہونے والی کتاب میں مولانا حاکم علی کو ''مرحوم'' لکھا ہے؛ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی وفات ۱۹۳۷ء سے پہلے ہوئی، جب کہ آپ کی قبر مقدس پر نصب کتبے پر آپ کی تاریخِ وفات ۱۹۲۵ء درج ہے جس سے مؤلف ''تذکرہ علماے اہلِ سنت و جماعت، لاہور'' کا بیان درست معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا حاکم علی مجددی علیہ الرحمہ حضرت سید میر جان کابلی علیہ الرحمہ کے مرید تھے، آپ کی قبر حضرت میر جان کابلی اور حضرت ایشاں کے مزار مبارک (واقع بیگم پورہ، نزد انجینئرنگ یونی ورسٹی، لاہور) کے مشرقی پہلو میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔

پروفیسر مولانا حاکم علی مجددی علیہ الرحمہ کی حیاتِ مبارکہ پر ایک غیر مقلد پروفیسر محمد صدیق (شعبہ اردو گورنمنٹ اسلامیہ کالج، سول لائنز، لاہور) نے ''پروفیسر مولوی حاکم علی سابق پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور'' کے نام سے کتاب لکھی ہے، یہ کتاب جنوری ۱۹۸۳ء میں ''مکتبہ رضویہ ۲/۴۲ سوڈھیوال کالونی ملتان روڈ لاہور'' سے شائع ہوئی تھی۔ یہ حالات اسی کتاب سے ماخوذ ہیں ماضی قریب میں اس کتاب کا نام بدل کر ''مولوی حاکم علی اور اقبالؔ'' کے نام سے ''بزم اقبال ۲ کلب روڈ لاہور کی طرف سے شائع کیا گیا ہے، لیکن اس میں سے -ردِ وہابیہ دیوبندیہ- کے متعلق مواد نکال دیا گیا ہے۔

پروفیسر حاکم علی نقشبندی کی نظر میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کا مقام:

پروفیسر مولانا حاکم علی مجددی علیہ الرحمہ، امام اہلِ سنت مجددِ دین وملت مولانا الشاہ احمد رضا خان محدث ومحقق بریلوی سے بہت محبت رکھتے تھے اور آپ کو ''یا سیدی'' اور ''آقاے نام دار'' کے الفاظ سے مخاطب کرتے تھے، اور سیدی اعلیٰ حضرت سے ملاقات کے لیے بریلی شریف تشریف لے گئے، اس بات کا ثبوت اعلیٰ حضرت کی تحریر سے ملتا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں: ''ادھر طبیعت کی حالت آپ خود ملاحظہ فرما گئے ہیں، وہی کیفیت اب تک ہے اب بھی اسی طرح چار آدمی کرسی پر بٹھا کر مسجد کو لے جاتے لاتے ہیں۔'' (فتاویٰ رضویہ، کتاب السیر، جلد ۲۷، صفحہ ۱۹۹-۲۰۰ مطبوعہ رضا فاونڈیشن، جامعہ نظامیہ اندرون لوہاری گیٹ، لاہور)

سیدی اعلیٰ حضرت نے اپنی دو کتب [۱] ''نزولِ آیاتِ فرقان بسکونِ زمین و آسمان'' اور [۲] ''المحجة المؤتمنة'' آپ ہی کے استفتا کے جواب میں تحریر فرمائی تھیں۔

''نزولِ آیاتِ فرقان بسکونِ زمین و آسمان'' (۱۳۳۹ھ) کے استفتا میں مولانا پروفیسر حاکم علی نقشبندی، سیدی اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت کو ''یا سیدی اعلیٰ حضرت سلمکم اللّٰہ تعالیٰ'' کے الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۷، صفحہ ۱۹۵، مطبوعہ رضا فاونڈیشن، جامعہ نظامیہ اندرون

لوہاری گیٹ، لاہور)

[۳] اپنے ایک اور استفتا میں مولانا حاکم علی نقشبندی لکھتے ہیں:

''آقاے نام دار مؤیدِ ملتِ طاہرہ مولانا وبالفضل اولٰنا جناب شاہ احمد رضا خان صاحب دام ظلکم۔'' (فتاویٰ رضویہ، کتاب الحظر والاباحۃ، جلد ۲۴، صفحہ ۳۳۰، مسئلہ ۱۰۸، مطبوعہ رضا فاونڈیشن، جامعہ نظامیہ اندرون لوہاری گیٹ، لاہور)

[۴] مولانا حاکم علی نقشبندی اپنے ایک فتویٰ میں اعلیٰ حضرت کے متعلق لکھتے ہیں:

''مؤیدِ ملتِ طاہرہ حضرت مولانا مولوی شاہ احمد رضا خاں صاحب قادری بریلوی۔''

(روزنامہ ''پیسہ اخبار'' لاہور، ۲ رنومبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۳، کالم ۱-۲، ایضاً؛ فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۴، صفحہ ۴۲۰، مطبوعہ رضا فاونڈیشن، جامعہ نظامیہ اندرون لوہاری گیٹ، لاہور)

پروفیسر حاکم علی؛ امام احمد رضا بریلوی کی نظر میں:

اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت مجددِ دین وملت مولانا مفتی الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ''نزولِ آیاتِ فرقان بسکون زمین'' میں پروفیسر حاکم علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرماتے ہیں:

''مجاہدِ کبیر مخلصِ فقیر حق طلب حق پذیر سلمہ اللّٰہ القدیر، وعلیکم السلام ورحمة اللّٰہ وبرکاته. دسواں دن ہے آپ کی رجسٹری آئی میری ضروری کتاب کہ طبع ہو رہی ہے اس کی اصل کے صفحہ ۱۰۸۸ تک کاتب لکھ چکے اور صفحہ ۱۰۹۰ کے بعد سے مجھے تقریباً چالیس صفحات کے قدر مضامین بڑھانے کی ضرورت محسوس ہوئی، یہ مباحثِ جلیلہ دقیقہ پر مشتمل تھی۔ میں نے ان کی تکمیل مقدم جانی کہ طبع جاری رہے۔ ادھر طبیعت کی حالت آپ خود ملاحظہ فرما گئے ہیں، وہی کیفیت اب تک ہے، اب بھی اسی طرح چار آدمی کرسی پر بٹھا کر مسجد کو لے جاتے لاتے ہیں، ان اوراق کی تحریر اور ان مباحثِ جلیلہ غامضہ کی تنقیح وتقریر سے بحمدہٖ تعالیٰ رات فارغ ہوا اور آپ کی محبت پر اطمینان تھا کہ اس ضروری دینی کام کی تقدیم کو ناگوار نہ رکھیں گے۔ آپ نے اپنا لقب ''مجاہدِ کبیر'' رکھا ہے مگر میں تو اپنے تجربے سے آپ کو ''مجاہدِ اکبر'' کہہ سکتا ہوں۔ حضرت مولانا الاسد الاسد الاشد مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا لہجہ جلد سے جلد حق قبول کر لینے والا میں نے آپ کے برابر نہ دیکھا، اپنے جمے ہوئے خیال سے فوراً حق کی طرف رجوع لے آنا جس کا میں بارہا آپ سے تجربہ کر چکا نفس سے جہاد ہے۔ اور نفس سے جہاد جہادِ اکبر ہے تو آپ اس میں مجاہدِ اکبر ہیں۔ بارک اللّٰہ تعالیٰ

وتقبل آمین، امید ہے کہ بعونہٖ تعالیٰ اس مسئلہ میں بھی آپ ایسا ہی جلد از جلد قبول حق فرمائیں گے، کہ باطل پر ایک آن کے لیے بھی اصرار میں نے آپ سے نہ دیکھا، وللّٰہ الحمد۔"

(فتاویٰ رضویہ، کتاب السیر، جلد ۲۷، صفحہ ۱۹۹۔۲۰۰، مطبوعہ رضا فاونڈیشن، جامعہ نظامیہ اندرون لوہاری گیٹ، لاہور)

امامِ اہلِ سنت ایک اور مقام پر مولانا حاکم علی نقشبندی کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: "مکرم کرم فرما جناب مولوی حاکم علی صاحب بی اے سلّمھم۔" (فتاویٰ رضویہ، کتاب السیر، جلد ۱۴، صفحہ ۸۰، مسئلہ ۴۲۰)

تصنیفات:

مولانا حاکم علی مجددی علیہ الرحمہ نے متعدد کتب تالیف کیں جن کے نام یہ ہیں:

[۱] اِبطالُ فتوےٰ العَلَّامَۃِ اَبِی الْکَلَامِ اِ-س کتاب کے آخر میں "۱۷/صفر ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰/اکتوبر ۱۹۲۰ء" درج ہے، یہ کتاب ترکِ مولات کے متعلق ابوالکلام آزاد کے موقف کے رد میں تحریر کی گئی تھی جو "حافظ ظفر الدین صاحب پرنٹر، لاہور" کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی۔ اس کا خلاصہ روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۲۶/نومبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۵۔۶/میں شائع ہوا۔

[۲] "رویتِ ہلال، کسُوف وخسوف"-یہ کتاب "انجمن نعمانیہ، اندرون بھاٹی گیٹ، لاہور" کے تیسویں سالانہ جلسے منعقدہ اگست ۱۹۱۷ء/۱۳۳۶ھ میں پڑھی جانے والی تقریر کی کتابی شکل ہے۔

[۳] "موجودہ زمانے کے حالات عُرف ساڈیاں امالاں دی شامت"- یہ منظوم پنجابی قصہ ہے، اور پنجاب یونی ورسٹی لائبریری میں موجود ہے، اس کا بک نمبر "۴۹۱۱ء پ ۸۹۱ ح ۱۹ام" ہے۔

[۴] "Key to Elementary Statics" یہ کتاب ایک انگریز پروفیسر W.N. Boutflower کی کتاب "Dynamics and Statics" کا ۱۵۸/صفحات پر مشتمل خلاصہ ہے، جسے انہوں نے جنوری ۱۸۹۳ء میں "اُردو سائنس پریس، لاہور" سے شائع کیا، "کتب خانہ اسلامیہ کالج سِول لائنز، لاہور" میں موجود ہے۔

[۵] "عملی نامیاتی کیمیا" (ترجمہ)-یہ کتاب لیڈز یونی ورسٹی کے معروف کیمیا داں پروفیسر کوہن کی کتاب "Practical Organic Chemistry" کا اردو ترجمہ ہے جو ۵۲۰/صفحات پر مشتمل ہے، یہ ترجمہ ۱۹۳۱ء میں "جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن" سے شائع ہوا، یہ کتاب "کتب خانہ جامعہ پنجاب" اور "کتب خانہ اسلامیہ کالج سول لائنز، لاہور" میں موجود ہے۔

[۶] "قوانینِ قدرت"-یہ رسالہ مولانا حاکم علی نقشبندی کی ایک تقریر کی کتابی شکل ہے، جو انہوں نے

۱۹۱۶ء/۱۳۳۵ھ میں "انجمن نعمانیہ، اندرون بھاٹی گیٹ، لاہور" کے ۲۹/ویں سالانہ جلسے میں کی، اس تقریر میں آپ نے قرآن وحدیث اور مختلف مذہبی کتابوں کے حوالوں سے مدد لے کر جدید سائنس پر قوانینِ قدرت کی فضیلت ثابت کی ہے۔

[۷] مولانا حاکم علی نقشبندی نے ایک رسالہ "قامع المرتدین والفجار" کے نام سے جاری کیا تھا، اس رسالہ کی نومبر ۱۹۲۰ء کی اشاعت میں آپ نے دیوبندی فرقہ کے عقائد کے رد میں اپنی تحریر اور اس پر علمائے اہلِ سنت کی تائیدات وتصدیقات شائع کیں، آپ کی تحریر آپ کے علم وفضل اور اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّار کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جس میں آپ نے وہابیہ دیوبندیہ کے ۱۶/عقائد ومسائل کا رد کیا ہے۔ اس رسالہ کے صفحہ ۲۰/پر مولانا حاکم علی علیہ الرحمہ نے تکمیل کی تاریخ ۱۹/صفر ۱۳۳۹ھ بمطابق یکم نومبر ۱۹۲۰ء تحریر کی ہے۔ کتاب کے ٹائٹل پر بھی سنِ اشاعت ۱۳۳۹ھ ہی درج ہے۔ اس رسالے کے صفحہ ۱۶۔۱۷/پر عقائدِ وہابیہ دیوبندیہ کے رد کے متعلق ایک اور استفتا درج ہے، جس کا مختصر جواب مولانا نورالدین اجمیری، ناظم جمعیۃ المتقین، انجمن جمعیۃ انوارِ خواجہ اجمیر شریف نے دیا اس جواب کی تصدیق کرنے والوں میں:

☆ مولانا امتیاز احمد انصاری، مدرس مدرسہ معینیہ درگاہ معلیٰ اجمیر شریف، ناظم جمعیۃ المتکلمین انجمن جمعیۃ انوارِ خواجہ
☆ مولانا معین الدین اجمیری، صدر مدرس وناظم دارالعلوم معینیہ عثمانیہ وناظم جمعیۃ انوارِ خواجہ اجمیر شریف
☆ مولانا عبدالمجید، مدرس مدرسہ معینیہ عثمانیہ ورکن انجمن جمعیۃ انوارِ خواجہ
☆ مفتی مظہر اللہ دہلوی، امام مسجد فتح پوری، دہلی
☆ مولانا محمد عالم، مدرس مدرسہ نعمانیہ، لاہور
☆ مولانا محمد اکرم، نائب امام مسجد وزیر خان، لاہور
☆ مولانا اصغر علی روحی
☆ مولانا شیخ قمر الدین حنفی قادری قریشی، خادم مسجد خراسیاں، لاہور
☆ مولانا پروفیسر حاکم علی نقشبندی
☆ مولانا محمد حسین
☆ مولانا محمد یار، امام وخطیب مسجد طلائی، لاہور
☆ مولانا رکن الدین الوری
☆ مولانا غلام مُرشد، مدرس دارالعلوم نعمانیہ، لاہور

☆واعظ الاسلام مولانا محمد اکرام الدین بخاری، خطیب وامام مسجد وزیر خان، لاہور- رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تصدیقات موجود ہیں۔ اس رسالے کے ٹائٹل پر ایک قطعہ درج ہے جس میں ایک جگہ ''دوست دار چار یارم'' لکھا ہے۔ ۱۹۲۰ء میں شائع ہونے والی اس کتاب میں ان حضرات کے لیے نصیحت ہے جو چار یار کے نعرہ کو ۱۹۵۳ء کے بعد کی ایجاد قرار دے کر اختلاف پیدا کرتے ہیں۔

اس کتاب کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں امام اہلِ سنت سیدی اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی کی تقریظ شامل ہے، جس میں آپ نے مولانا پروفیسر حاکم علی نقشبندی علیہ الرحمہ کی طرف سے دیوبندیہ وہابیہ کے رد کیے گئے ۱۶/عقائد ومسائل کی اپنی تقریظ میں تائید اور ان عقائد ومسائل پر مزید رد کر کے کتاب کی افادیت میں بے بہا اضافہ فرمادیا۔

اعلیٰ حضرت کی تقریظ میں ایسی کوئی وضاحت موجود نہیں جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ کس سن میں لکھی گئی تھی۔ لیکن اس تقریظ میں موجود ایک فقرے سے اس کا سنِ تحریر اس طرح معلوم ہوا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے اس تقریظ میں دیوبندیہ کے مسئلہ نمبر ۳/کا رد کرتے ہوئے مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی صاحب کے بارے میں فرمایا کہ: ''انہیں مٹی میں ملے پندرہ سال سے زائد ہوئے۔'' اور مؤلف ''تذکرۃ الرشید'' کے بیان کے مطابق گنگوہی صاحب ۲۷/جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ/ ۳۱/جولائی ۱۹۰۵ء کو آنجہانی ہوئے۔ (تذکرۃ الرشید، جلد ۲، صفحہ ۳۳۰، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰/ انارکلی، لاہور) اس حساب سے سیدی اعلیٰ حضرت نے یہ تقریظ ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء کے اواخر میں تحریر فرمائی، **واللہ تعالیٰ اعلم**.

فتاویٰ رضویہ کے مرتبین کی دو اغلاط کی نشان دہی:

پہلی غلطی:

مولانا حاکم علی نقشبندی کی تحریر پر اعلیٰ حضرت کی لکھی گئی تقریظ ''فتاویٰ رضویہ'' جلد ۱۱، صفحہ ۱۲۶، مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی اور فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۵، صفحہ ۵۱۹/تا ۵۲۷/مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور میں بھی شامل ہے؛ لیکن اس تقریظ سے پہلے یوں لکھا گیا ہے: ''تحریر (اصل میں) فہرست عقائد دیوبندیان مرتبہ مولوی رکن الدین صاحب الوری؛ پیش کردہ مولوی حاکم علی صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج، لاہور غرہ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ۔''

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقریظ مولانا رکن الدین الوری کی تحریر پر لکھی گئی ہے جو مولانا حاکم علی نقشبندی نے پیش کی ہے، لیکن راقم کے پاس اس رسالہ کا جو نسخہ موجود ہے اُس میں اس فتویٰ میں

کہیں بھی مولانا رکن الدین الوری کا نام درج نہیں ہے۔ بلکہ مولانا حاکم علی نقشبندی ''عقائدِ دیوبندیہ وفتاویٰ برآنہا'' **المسمیٰ بہ** ''قامع المرتدین والفجار'' میں شامل اس فتویٰ کے شروع میں لکھتے ہیں:

''امابعد- فقیر حاکم علی لاہوری جمیع برادرانِ اصلی اسلام عرب وعجم خصوصاً ہند کے فائدہ کے لیے یہ رسالہ تالیف کرتا ہے تاکہ اصلی مسلمان یعنی اصلی سنی یعنی اصلی حنفی اصلی شافعی اصلی حنبلی اصلی مالکی، نقلی حنفیوں یعنی وہابیہ دیوبندیہ کے شر سے **بعونہٖ تعالیٰ** محفوظ رہ سکیں؛ کیوں کہ یہی فرقہ اس وقت اپنی طغیانی پر ہے، اپنے تئیں جمعیۃ العلماء کے لقب سے ملقب کیے ہوئے ہے اور حنفیت کے لباس میں وہابیت کو پھیلا رہا ہے، جہان میں بے چینی پھیلا رہا ہے، بھولے بھالے اصلی سنی ان کی شرعی قطع وضع سے ان کے فریب میں آئے ہوئے ہیں خداوند کریم ہم تمام اصلی سنیوں کو ان نقلی حنفیوں کے دامِ تزویر سے خلاصی دیوے اور ہر بلا سے مصئون فرمادیوے **بحرمت حبیبہ صلی اللّٰہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم**.

پیش تر اس کے کہ ان کے عقائدِ باطلہ بیان کیے جائیں اور ان پر جو فتوے میں نے حاصل کیے ہیں تحریر کیے جائیں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے پیارے رسول اللہ ونبی اللہ محمد رسول اللہ **صلی اللّٰہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم** کے پایہ اعلیٰ کا ذرا سا نور ظاہر کرلوں۔''

(قامع المرتدین والفجار، صفحہ ۱۱/تا ۱۵/مطبوعہ لاہور ۱۳۳۹ھ)

اس اقتباس سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ ''قامع المرتدین والفجار'' میں شائع ہونے والی تحریر (جس پر سیدی اعلیٰ حضرت کی تقریظ ہے) کے مؤلف مولانا حاکم علی ہیں۔ اور ''فتاویٰ رضویہ'' کے معزز ومحترم مرتبین کو اس مسئلے میں سہو ہوا ہے۔ اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت مجددِ دین وملت مولانا مفتی الشاہ احمد رضا خان فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی گئی تقریظ پر حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان قادری برکاتی، حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان قادری، مولانا محمد رضا خان قادری اور مولانا عبداللہ قادری رضوی بہاری کی تصدیقات درج ہیں لیکن ''فتاویٰ رضویہ'' میں شامل فتویٰ کے آخر میں ان مصدقین کے نام درج نہیں ہیں۔

دوسری غلطی:

حضرت مولانا ابونصر حکیم یعقوب علی حنفی قادری رام پوری کی کتاب ''توضیح المرام فی اثبات المولد والقیام'' کا ۱۳۲۶ھ کا مطبوعہ ایڈیشن راقم کے پاس موجود ہے، جس میں سیدی اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت کی تقریظ درج ہے، اس تقریظ میں آپ مؤلف اور کتاب کا نام یوں تحریر فرماتے ہیں:

''فقیر غفر له الولی القدیر نے مولانا مولوی ابونصر حکیم محمد یعقوب علی صاحب حنفی قادری رام پوری کا یہ مختصر وکافی فتویٰ مسمّٰی بہ ''توضیح المرام فی اثبات المولد والقیام'' مطالعہ کیا۔''

(توضیح المرام فی اثبات المولد والقیام مطبوعہ انجمن حنفیہ، لاہور نے گلزار محمدی سٹیم پریس، لاہور سے شائع کروایا)

یہ تقریظ ''فتاویٰ رضویہ'' جلد ۱۱رصفحہ ۶۷رتا ۶۹ر مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی اور فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۹رصفحہ ۲۴۸رتا ۲۵۲ر مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، اندرون جامعہ نظامیہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور پر موجود ہے؛ لیکن اس میں کتاب کا نام ''توضیح المرام فی اثبات المولد والقیام'' کی بجائے ''شمس السالکین'' لکھا ہے، باقی ساری تقریظ وہی ہے جو ''توضیح المرام فی اثبات المولد والقیام'' میں شامل ہے۔

مولانا حاکم علی مجددی علیہ الرحمہ کے رسالے میں درج امام اہلِ سنت کی تقریظ کو قارئین کے استفادہ کے لیے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ (راقم نے یہ تقریظ (مع مکمل رسالہ) سید صابر حسین شاہ بخاری صاحب کو بھی بھیج دی ہے تا کہ وہ اسے اپنی کتاب ''تقاریظِ امام احمد رضا'' کے اگلے ایڈیشن میں شامل کرلیں۔ الحمدللہ احقر کی ارسال کردہ متعدد تقاریظ اس کتاب کے حال ہی میں شائع ہونے والے پہلے ایڈیشن میں شامل ہیں۔)

تقریظِ امام احمد رضا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

الحمد لِلّٰه و کفی و سلام علی عباده الذین اصطفٰی
لا سیما علی حبیبه المصطفٰی .

فہرست نظر سے گزری، جزی اللّٰه من حرره و صوبه وقر حضراتِ کفر مسمات گنگوہ و نانوتہ وانبیٹھ وتھانہ بھون وسائر وہابیہ اخذ هم اللّٰه تعالٰی اخذة الرابیه کے کفر وضلال حد شمار سے خارج ہیں جسے انموذج وافر ووانی پر اطلاع منظور ہو، فقیر کا قصیدہ ''الاستمداد علی اجیال الارتداد'' اور اس کی شرح ''کشف ضلال دیوبند'' مطالعہ فرمائے جس میں بحوالہ کتاب وصفحات ان کے دو سو تیس اقوال کفر وضلال ہیں۔ یہ پندرہ سولہ کہ یہاں شمار ہوئے بلکہ ان میں سے صرف دو، ایک ''علم شیطان کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زائد ہونا'' کہ ''براہین قاطعہ'' گنگوہی میں ہے۔ (براہین قاطعہ، صفحہ ۵۵، مطبوعہ دارالاشاعت اردو بازار، کراچی) دوسرا ''حضور کا سا علمِ غیب ہر پاگل ہر چوپایہ ہر جانور کو حاصل ہونا'' کہ ''حفظ الایمان'' تھانوی میں ہے۔ (حفظ الایمان، صفحہ ۸، مطبوعہ مطبع علیمی، دہلی؛ ایضاً، صفحہ ۱۳، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ، کراچی؛ ایضاً، صفحہ ۱۳، مطبوعہ کتب خانہ مجیدیہ، ملتان) مسلمانوں کے سمجھنے کو یہی بس ہیں۔

یہ دونوں کفرِ قطعی وارتدادِ یقینی ہیں۔ ان پر علمائے کرام حرمین شریفین نے بحوالہ شفا شریف بزازیہ ومجمع الانہر ودرمختار وغیرہ حکم فرمایا کہ: **من شک فی کفره و عذابه فقد کفر** ''ان قائلوں کے کافر ہونے میں جو شک کرے وہ بھی کافر۔''

[۱] ابن عبدالوہاب نجدی کے کفر عام آشکار ہیں۔ اکابر عرب وعجم نے دفتر کے دفتر اس کی تکفیر وتضلیل میں تصنیف فرمائے۔ وہ روضۂ انور کو صنمِ اکبر کہتا اور چھ سو برس کے تمام ائمہ واکابر کو کافر اکفر اور کچھ نہ ہوتا تو یہی اس کے کفر کو کیا کم تھا کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وامیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ وسیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص اسمائے طیبہ محض بلا تعظیم لکھ کر کہا کہ یہ سب جہنم کی راہیں ہیں **الا لعنة اللّٰه علی الظلمین** گنگوہی صاحب اسے اچھا اور اس کے عقائد کو عمدہ کیوں نہ بتائیں کہ وہ ان کے دُشمن جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سخت گالیاں دینے والا تھا۔

طرفہ یہ کہ گنگوہی صاحب کو اس پر ایمان بالغیب ہے۔ ان کے فتاویٰ حصہ اول صفحہ ۶۴ر میں ہے: ''محمد بن عبدالوہاب کے عقائد کا حال مجھ کو معلوم نہیں۔'' پھر بھی صفحہ ۸ر پر لکھتے ہیں: ''محمد بن عبدالوہاب کے عقائد عمدہ تھے وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں۔'' یعنی اتنا اجمالاً معلوم تھا کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سخت گالیاں دیتا بس اتنا ہی اس کے اچھے اور اس کے عقائد عمدہ ہونے کے لیے کافی ہے، زیادہ تحقیقات کی کیا حاجت ہے۔ دیگ کا ایک ہی چاول دیکھ لینا بس ہے۔

[۲] قولِ دوم میں وہابیہ وغیر مقلدین کے ساتھ عقائد میں اپنا اتحاد اور اعمال میں خلاف بتایا۔ پہلا جملہ ضرور صحیح ہے بے شک وہابیہ مقلدین وغیر مقلدین یقیناً تمام عقائدِ کفر وضلال میں متحد ہیں اور اگر کچھ اختلاف ہوتا تو نہ ہوتا کہ **الکفر ملة واحدة** عجب کہ گنگوہی صاحب جو اپنے رب کو کاذب مانتے ہیں خود یہاں سچ بول گئے مگر **الکذوب وقد یصدق** دوسرا جملہ کہ اعمال میں اختلاف ہے جھوٹ ہے صوری اختلاف ہو معنوی کچھ نہیں کہ ''براہین قاطعہ'' صفحہ ۱۳۷ر میں صاف لکھا کہ: ''مختلف فیہ مسئلہ تو یوں بھی بلا ضرورت جائز ہو جاتا ہے۔'' (براہین قاطعہ، صفحہ ۱۴۱، مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی)

اور فتاویٰ حصہ اول صفحہ ۵ر میں ہے: ''حدیث پر عمل کرنا لوجہ اللہ تعالیٰ اچھا ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ، حصہ اول، صفحہ ۱۱۸، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی؛ فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ ۶۱، مطبوعہ محمد علی کارخانہ اسلامی کتب، دکان نمبر ۲ر اردو بازار، کراچی؛ فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ ۹۱، مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، ایم اے جناح روڈ، کراچی؛ فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ ۱۷۹، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب، قرآن محل مقابل مسافر خانہ، کراچی؛ فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ ۷۶، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، اقراء سنٹر غزنی اسٹریٹ، اردو

بازار، لاہور؛ فتاویٰ رشیدیہ، مشمولہ تالیفاتِ رشیدیہ، صفحہ۲۰۷، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰انارکلی، لاہور)

صفحہ۶/ پر رفع یدین اور آمین بالجہر کرنے والے کو کہا: ''تعصب اچھا نہیں وہ بھی عامل بالحدیث ہے۔'' بلکہ کہا: ''اگرچہ نفسانیت سے کرتا ہے مگر فعل تو فی حد ذاتہ درست ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ، حصہ اول، صفحہ۱۱۹، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی؛ فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ۶۳، مطبوعہ محمد علی کارخانہ اسلامی کتب، دکان نمبر۲/ اردو بازار، کراچی؛ فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ۹۳، مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، ایم اے جناح روڈ، کراچی؛ فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ۱۸۰ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب، قرآن محل مقابل مسافر خانہ، کراچی؛ فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ۸۷، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، اقراء سنٹر غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور؛ فتاویٰ رشیدیہ، مشمولہ تالیفاتِ رشیدیہ، صفحہ۲۰۹، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰انارکلی، لاہور)

صفحہ۵/ پر تھا: ''سب حدیث پر ہی عامل ہیں مقلد ہو یا غیر مقلد۔'' (فتاویٰ رشیدیہ، حصہ اول، صفحہ۱۱۸، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی؛ فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ۶۱، مطبوعہ محمد علی کارخانہ اسلامی کتب، دکان نمبر۲/ اردو بازار، کراچی؛ فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ۹۱، مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، ایم اے جناح روڈ، کراچی؛ فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ۱۷۹، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب، قرآن محل مقابل مسافر خانہ، کراچی؛ فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ۷۶، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، اقراء سنٹر غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور؛ فتاویٰ رشیدیہ، مشمولہ تالیفاتِ رشیدیہ، صفحہ۲۰۵، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰/ انارکلی، لاہور)

[۳] ترک تقلید کا بیج ہندوستان میں اسماعیل دہلوی نے بویا جیسا کہ اس کی ''تقویۃ الایمان'' اور ''تنویر العینین'' سے ظاہر ہے۔ گنگوہی صاحب کا اس پر ایمان قرآنِ عظیم پر ایمان سے بہت زائد ہے۔ فتاویٰ حصہ اول صفحہ۲۲۱/ میں کہتے ہیں: ''اس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ، حصہ اول، صفحہ۲۱، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی؛ فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ۱۹۲، مطبوعہ محمد علی کارخانہ اسلامی کتب، دکان نمبر۲ اردو بازار، کراچی؛ فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ۲۱۹، مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، ایم اے جناح روڈ، کراچی؛ فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ۱۴۱، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب، قرآن محل مقابل مسافر خانہ، کراچی؛ فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ۲۱۹، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، اقراء سنٹر غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور؛ فتاویٰ رشیدیہ، مشمولہ تالیفاتِ رشیدیہ، صفحہ۸۴، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰/ انارکلی، لاہور)

ہر شخص جانتا ہے کہ عین کی نفی ضد کا ثبوت ہے جب ''تقویۃ الایمان'' کا پڑھنا عین اسلام ہے تو نہ پڑھنا قطعاً کفر ہے۔ حالاں کہ کروڑوں مسلمان ہیں جو قرآنِ عظیم پڑھے ہوئے نہیں۔ جب ''تقویۃ الایمان'' کا رکھنا عین اسلام ہے تو نہ رکھنا کفر ہے حالاں کہ کروڑوں مسلمانوں کے پاس قرآن

عظیم نہیں ہوتا وہ کافر نہ ہوئے لیکن ''تقویۃ الایمان'' وہابیہ ضرور پاخانہ میں بھی لے جاتے ہوں گے کہ جس وقت نہ رکھی عین اسلام سے چھُٹے اور کافر ہوئے۔ غالباً گنگوہی صاحب کی قبر میں بھی رکھ دی گئی ہوگی کہ مر کر تو کافر نہ ہوں مگر مصیبت یہ ہے کہ انہیں مٹی میں ملے پندرہ سال سے زائد ہوئے کتاب بھی گل گئی ہوگی۔ جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دُشمن ان کے نزدیک مر کر مٹی میں مل گئے تو وہ ناپاک کتاب کیا رہی ہوگی۔

بہرحال گنگوہی صاحب اب تو اپنے علم سے بھی کافر ہوئے ہوں گے۔ خیر کہنا یہ ہے کہ جب ایسی کتاب نے غیر مقلدی بوئی تو گنگوہی صاحب اس کی اجازت کیوں نہ دیں۔ ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک مقلدین ائمہ (معاذ اللہ) کفار تھے اور ہیں کہ تقلید کر کے ''تقویۃ الایمان'' کا خلاف کیا اور اس پر عمل عین اسلام تھا تو ضرور کافر ہوئے اور اگر کہیے کہ یوں تو گنگوہی و نانوتوی و تھانوی و دیوبندی صاحبان سب کفار ٹھہریں گے کہ ظاہراً ان سب کا عمل تقلید پر ہے تو گنگوہی صاحب تقیہ کا حکم دے کر اس کا علاج کر گئے ہیں وہ کہہ دیں گے کہ ہمارا اور ان کا تقلید پر عمل تقیہ ہے تو صورۃً کافر ہوئے دل میں تو کفر نہیں کہ غیر مقلدی بھری ہوئی ہے۔

[۴] امکانِ کذب کا اب ذکر فضول ہے گنگوہی اور ان کے اتباع صراحۃً وقوعِ کذب لکھ چکے ہیں اس کی ''تفصیل کشف ضلالِ دیوبند'' میں صفحہ۹۱/ سے ۹۴/ تک دیکھیے۔

[۵] وصف کریما رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ مسلمانوں کے نزدیک تو ضرور خاصہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہے مگر گنگوہی صاحب اسے کیوں کر مانتے کہ اس سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل مُحال ہو جاتا کہ آیۂ کریمہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (پارہ: ۱۷، الانبیآء: ۲۱، آیت: ۱۰۷) (ترجمہ: ''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے'') تمام ماسوا اللہ کو حضور کی رسالت عام کر رہی ہے۔ سب ماسوا اللہ حضور کے امتی ہیں اور امتی کا مثل نبی ہونا بداہۃً محال۔ لہٰذا عالمین کے عمومِ قطعی کو رد کر کے اس وصف کریم کو گلی گلی کے ملّوں میں متبدل کر دیا۔

[۶] اس کی نسبت اوپر گزرا کہ کفر قطعی ہے مگر گنگوہی صاحب سے اس کی شکایت نہ چاہیے۔ ہر شخص اپنے بڑے کی بڑائی چاہتا ہے۔

[۷] مجلس میلاد مبارک کی نسبت جو مبشرات علمائے کرام و صلحائے عظام نے دیکھے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس عمل مبارک سے شاد ہیں اور فرماتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من فرح بنا فرحنا به ''جو ہماری خوشی کرتا ہے، ہم اس سے خوش ہوتے ہیں۔'' یوں ہی شاہ ولی اللہ صاحب کے

والد شاہ عبدالرحیم صاحب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی نیاز سالانہ پر شاد و فرحاں دیکھا۔(الدرالثمین، مشمولہ رسائل شاہ ولی اللہ، اردو ترجمہ، صفحہ ۱۹۹، مطبوعہ کتب خانہ امجدیہ ۴۲۵/ مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی) ان خوابوں کے جواب میں ان کے متکلمین کہتے ہیں کہ خواب کا کیا اعتبار یہاں تک کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خواب مروی صحیح بخاری شریف کہ شادیِ ولادتِ اقدس پر ابولہب ملعون پر روز دوشنبہ قدرے تخفیف ہوتی ہے اسے بھی مہمل بتاتے اور یہ شعر گاتے ہیں ؎

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

سبحان اللہ- غلام محمد، غلام نبی شرک اور غلام آفتاب ہونے کا خود اقرار۔ اس کا ترجمہ عربی میں ''عبدالشمس'' اور ہندی میں ''سورج داس'' ہی ہوا یا کچھ اور۔ وہاں تو خوابوں کی یہ کیفیت اور اپنے لیے استاذی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فخر ثابت کرنے کے لیے ایک جعلی خواب سے تمسک۔ مگر ہونا ضرور تھا۔ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًاعَنْ طَبَقٍ (پارہ:۳۰، الانشقاق:۸۴، آیت:۱۹) (ترجمہ ''ضرور تم منزل بہ منزل چڑھو گے'') ان کے اگلوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیا کہا تھا: قَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ (پارہ:۲۵، دخان:۴۴، آیت:۱۴) ''پڑھایا ہوا دیوانہ'' انہوں نے پڑھانے کی تصدیق اس خواب سے کی اور دیوانہ کی تکمیل تھانوی صاحب نے ''حفظ الایمان'' میں کہ ''ان کا سا علم غیب ہر مجنون کو ہے'' وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ. (پارہ:۱۹، الشعراء:۲۶، آیت:۲۲۷) (ترجمہ ''اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔'')

[۸] وہ مجلس مبارک کو جنم کنہیا سے تشبیہ کیوں نہ دیں۔ (براہین قاطعہ، صفحہ ۱۵۲، مطبوعہ دارالاشاعت اردو بازار، کراچی) قرآنِ عظیم کو ویدا شلوک سے تشبیہ دے چکے ہیں۔ دیکھو ''براہینِ قاطعہ'' صفحہ ۷۹ (براہین قاطعہ، صفحہ ۸۳، مطبوعہ دارالاشاعت اردو بازار، کراچی)

[۹] و[۱۰] نفسِ میلاد و عرس سے انکار کا کیا گلہ جب کہ انہیں نفسِ انبیا اولیا اور خود حضور سید الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے صاف انکار ہے اور ان کا ماننا نرا خبط ٹھہراتے ہیں ان کے، قرآن بلکہ ان کے نزدیک، قرآن سے اعظم ''تقویۃ الایمان'' مطبع صدیقی، دہلی ۱۲۷۰ھ، صفحہ ۳۱ر میں ''اللہ کے سوا کسی کو نہ مان۔'' (تقویۃ الایمان، صفحہ ۱۳-۱۴، مطبوعہ راشد کمپنی، دیوبند) صفحہ ۸ ''اوروں کو ماننا محض خبط ہے۔'' (تقویۃ الایمان، صفحہ ۶، مطبوعہ راشد کمپنی، دیوبند) صفحہ ۱۹: ''اللہ صاحب نے فرمایا کسی کو میرے سوا نہ مانیو۔'' (تقویۃ الایمان، صفحہ ۱۳، مطبوعہ راشد کمپنی، دیوبند) صفحہ ۱۷: ''جتنے پیغمبر آئے ہیں سو وہ اللہ کی طرف سے یہی حکم لائے ہیں کہ اللہ کو مانے اور اس کے سوا کسی کو نہ مانے۔'' (تقویۃ الایمان، صفحہ ۱۱،

مطبوعہ راشد کمپنی، دیوبند)

[۱۱] ایصالِ ثواب کے طریقوں کو بدعتِ سیئہ حرام کیوں نہ کہیں ؎

جگ بیتی سے کیا مطلب ہے اپنی بیتی سناتے یہ ہیں

ان کی میت کو ثواب پہنچنا مُحال کہ: مالھم فی الاخرۃ من خلاق ان کے قاری کو ثواب ملنا مُحال کہ قَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (پارہ:۱۹، الفرقان:۲۵، آیت:۲۳) (ترجمہ ''ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرّے کر دیا کہ روزن کی دھوپ میں نظر آتے ہیں۔'')

[۱۲] سال گرہ دو طرح ہوتی ہے۔ ایک میں کچھ قرآن مجید اور درود شریف پڑھ کر حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و سیدنا غوثِ اعظم وغیرہ، اولیاے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نیاز اور احباب و فقرا کو کچھ تقسیم۔ گنگوہی صاحب اسے ہرگز جائز نہیں کہہ سکتے کہ اس میں تو دن کی تعیین بھی ہے اور ہر سال کا التزام بھی اور اس کے دُشمنوں کی نیاز بھی، اسے جائز کہہ کر وہابیت میں کس دین کے رہتے۔

دوسری وہ جو کفار و فجار کرتے ہیں کہ جس میں لہو و لعب ناچ رنگ وغیرہ شیطنتیں ہوتی ہیں گنگوہی صاحب اسے جائز فرماتے ہیں تو ان پر اعتراض بے جا ہے رہا یہ کہ اس میں بھی تعیین و التزام ہے ہوا کرے۔ تعیین تو التزام ہی کے لیے ہوتی ہے اور ان کے یہاں حسنات ہی کا التزام حرام ہے نہ کہ سَیِّئات (بُرائیوں) کا، بلکہ بسا اوقات سَیِّئات (بُرائیوں) کا التزام ان کے یہاں فرضِ قطعی بلکہ مدارِ ایمان ہے، جیسا ان کے قرآن ''تقویۃ الایمان'' سے عیاں ہے۔

صفحہ ۲۱ر میں ہے: ''اس کے گھر دور دور سے قصد کر کے سفر کرنا اور رستے میں نامعقول باتیں کرنے سے بچنا کام عبادت کے ہیں، جو کسی پیغمبر یا بھوت کو کرے اس پر شرک ثابت ہے۔'' (ملخصاً) (تقویۃ الایمان، صفحہ ۸، مطبوعہ راشد کمپنی، دیوبند) تو ثابت ہوا کہ مدینہ طیبہ کے راستے میں نامعقول باتیں کرنا فرض بلکہ مدارِ ایمان ہے اگر نہ کرے گا مشرک ہو جائے گا اور نہ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ بلکہ سفر حج کے سوا گنگوہ یا دیوبند یا تھانہ بھون جہاں کہیں جاتے ہوئے بھی نامعقول باتیں اور جنگ و جدال بلکہ فسق و فجور بھی نہ کرے گا مشرک ہو جائے گا کہ آیت نے سب کو نیک نسق میں بیان فرمایا کہ: فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ. (پارہ:۲، سورۂ بقرہ، آیت:۱۹۷) (تو نہ عورتوں کے سامنے صحبت کا تذکرہ ہو نہ کوئی گناہ نہ کسی سے جھگڑا حج کے وقت تک۔)

[۱۳] دادا پیر سے بُغض کی کیا شکایت جب خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شدید بغض رکھتے ہیں جن کی تفصیل کتبِ کثیرہ میں ہو چکی اور پھر آپس میں اپنا اصطلاحی فیض بانٹ رہے ہیں۔ الحق یہ فیضِ

شیطانی ہے اور محبوبوں کے بغض ہی سے ملتا ہے تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انقطاعِ سلسلہ جو بغضِ مشائخ سلسلہ سے حاصل ہوگا مضر نہیں بلکہ ضروری ہے۔

[۱۴] اوپر گزرا کہ یہ ملعون اخبث قول کفرِ قطعی وارتدادِ یقینی ہے **لعن اللّٰہ قائلہ وقابلہ** ان مرتدین سے کیا شکایت عجب ان سے جو مسلمان کہلاتے اور جناب رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ایسی شدید ناپاک گالیاں سنتے اور پھر ان کی تاویل کرتے یا قائل کو کافر کہتے ہچکچاتے ہیں **لا واللّٰہ** وہ خود اپنا ایمان اس دُشنام دہندہ (گالی دینے والے) پر لُٹاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ.** ''تُو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور رسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ بیٹے یا بھائی یا عزیز ہوں۔''

[۱۵] تقیہ کی اجازت بلکہ حکم دینے کی کیا شکایت کہ آخر ان کے بڑوں کی وراثت ہے جو بارگاہِ اقدس میں حاضر آ کر شدید غلیظ قسمیں کھا کر کہا کرتے: **نشهد انک لرسول اللّٰہ** ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔'' رب العزت نے اس پر ارشاد فرمایا کہ: اللہ خوب جانتا ہے بے شک تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ خبیث جھوٹے ہیں زبانی اِدّعا (دعویٰ) یہ تھا اور دل کی خیانت وہ کہ **لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ** – الآیہ (پارہ:۲۸، المنافقون:۶۳، آیت:۸) (ترجمہ: ''کہتے ہیں ہم مدینہ پھر کر گئے'') یہی حال ان صاحبوں کا ہے مسلمانوں کے دکھاوے کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریفیں کریں گے بات بات پر **بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر** کہیں گے اور دِلی خباثتیں وہ کہ چوہڑا چمار (تقویۃ الایمان، صفحہ۱۱، مطبوعہ راشد کمپنی، دیوبند) ہر ذرۂ ناچیز سے کمتر (تقویۃ الایمان، صفحہ۴۵، مطبوعہ راشد کمپنی، دیوبند) ان کی سرداری ایسی جیسے قوم کا چوہدری (تقویۃ الایمان، صفحہ۵۲، مطبوعہ راشد کمپنی، دیوبند) عاجز (تقویۃ الایمان، صفحہ۱۹، مطبوعہ راشد کمپنی، دیوبند) ناکارے (تقویۃ الایمان، صفحہ۲۲، مطبوعہ راشد کمپنی، دیوبند) مرکر مٹی میں مل گئے (تقویۃ الایمان، صفحہ۴۹، مطبوعہ راشد کمپنی، دیوبند) وغیرہ وغیرہ۔ **الا لعنة اللّٰہ علی الظالمین**..... **اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا.** (پارہ:۲۲، احزاب، آیت:۵۷) (ترجمہ: ''بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دُنیا اور آخرت میں، اور اللہ نے ان کے لیے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'')

[۱۶] **سبحان اللّٰہ** وہ جو اللہ و رسول کو شدید گالیاں دے چکے ہیں ان سے کوا کھانے بلکہ اسے ثواب بتانے

کی کیا شکایت۔ ''سنن ابن ماجہ'' میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ فرمایا: **من یاکل الغراب وقد سماہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فاسقا واللّٰہ ماھو من الطیبات** (**سنن ابن ماجہ، کتاب الصید، باب الغراب، صفحۃ ۲۳۴**، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی) ''کوا کون کھائے گا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو اس کا نام فاسق رکھا ہے۔ خدا کی قسم وہ پاک چیزوں سے نہیں'' یہی مجانست وجہ موانست ہوئی۔ شاعر کا قول ؎

پردھم جنس با ہم جنس درزاغ　　کبوتر با کبوتر زاغ بازاغ

اگر نہ مانیں تو کیا اللہ عزوجل کا ارشاد بھی نہ مانیں گے کہ: **اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ.** (پارہ:۱۸، النور:۲۴، آیت:۲۶) (ترجمہ ''گندیاں گندوں کے لیے اور گندے گندیوں کے لیے۔'') تمام کتبِ مذہب، متون وشروح وفتاویٰ مَملُو (بھری ہوئی) ہیں کہ غرابِ ابقع یعنی دو رنگا کوا حرام ہے۔ گنگوہی صاحب اگر اب آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے تو مادر زاد اندھے تو نہ تھے کہ دیسی کوے میں دو رنگ نظر نہ آئے۔ بڑی دلیل یہ لاتے ہیں کہ وہ صرف نجاست نہیں بلکہ دانہ بھی کھاتا ہے تو مرغی کی طرح ہوا یوں تو پہاڑی کوا بھی حلال کر لیں وہ بھی بکثرت دانہ کھاتا ہے کھیتوں پر کثرت سے گرتا ہے اور کتا تو گوشت اور روٹی سب کچھ کھاتا ہے یہ مرغی کے دانہ کھانے پر گئے اور وہ نہ دیکھا کہ وہ فاسق نہیں، جیفہ خوار (مُردار کھانے والی) نہیں اور کوا فاسق اور جیفہ خوار (مُردار کھانے والا) ہے۔ بہر حال ان باتوں میں ان سے بحث بیکار ہے کہ ان کو نفسِ اسلام ہی سے انکار ہے۔ **وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ.** (پارہ:۱۹، الشعراء:۲۶، آیت:۲۲۷) (ترجمہ ''اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے'') **وسیعلمون الذین اجرموا ای منقلب ینقلبون نسال اللّٰہ العافیۃ ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم. وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین و بارک وسلم مجدو کرم واللّٰہ تعالیٰ اعلم.**

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ محمدی سنی حنفی قادری

۱۳۲۸ھ (مہر)

حامد رضا خان قادری

آل الرحمٰن محمد عرف ابوالبرکات محی الدین الجیلانی مصطفیٰ رضا خان قادری

۱۳۲۸ھ (مہر)

محمد رضا خان قادری عرف محمد عبدالرحمٰن

محمد عبداللہ السنی الحنفی القادری الرضوی البہاری

(قامع المرتدین والفجار، صفحہ۱۱ تا ۱۵، مطبوعہ لاہور، ۱۳۳۹ھ) ☆☆☆

امام احمد رضا کے دوست ومحبّ

محدثِ سورتی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۳۶ء-۱۹۱۶ء)

ڈاکٹر حامد علی علیمی
فاضل جامعہ علیمیہ وریسرچ اسکالر جامعہ کراچی

اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری محبوب نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے خوش نصیب انسان کو مومن ومسلم کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے، یہ سب دُنیا وآخرت کی بھلائیوں کے مستحق ہیں۔ان میں بعض تو وہ ہیں جو اپنے حصے کا کام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق کر کے دارِفنا سے دارِ بقا کی جانب کوچ کر گئے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو اپنی جان جانِ آفریں کے نام پر قربان کرنے کے انتظار میں ہیں۔قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے؛ جس کا ترجمہ یہ ہے:
''مسلمانوں میں کچھ وہ مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا تو ان میں کوئی اپنی منت پوری کر چکا اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے۔'' (احزاب:۲۳/۳۳)

حضرات صحابۂ کرام، تابعین وتبع تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد بہت سے نفوسِ قدسیہ مجتہدین، مجددین، مفسرین، محدثین، فقہا اور صالحین کی صورت میں تشریف لاتے رہے، یہاں تک کہ چودھویں صدی ہجری کا آغاز ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ان نفوسِ قدسیہ میں سے چودھویں صدی ہجری کے ایک عظیم مُحدِّث وفقیہ یعنی محمد وصی احمد سورتی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی بھی ہے۔

نام ونسب: محمد وصی احمد بن مولانا محمد طیب بن مولانا محمد قاسم بن مولانا محمد طاہر سورتی [۱]

ولادت: ۱۸۳۶ء کو راندیر (ضلع سورت، انڈیا) میں پیدا ہوئے۔

لقب: شیخ المحدثین [۲]

تعلیم وتربیت: ۱۲۷۷ھ میں مسجد فتح پوری (دہلی) میں آئے کچھ عرصہ قیام کے بعد مدرسہ حسین بخش میں تحصیلِ علم کیا۔ ۱۲۷۹ھ میں مدرسہ فیضِ عام (کان پور) گئے، جہاں مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے اکتسابِ فیض کیا۔ ۱۸۸۶ھ میں مدرسہ فیضِ عام سے فارغ ہوئے اور اسی سال گنج مراد آباد (یو پی) پہنچے۔ مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی سے مستفید ہوئے اور بیعت وخلافت سے سرفراز

ہوئے۔ ۱۲۹۳ھ میں دار العلوم مظاہر العلوم (سہارن پور) آئے اور مولانا احمد علی محدث سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ سے درسِ حدیث کیا اور تقریباً ۱۲۹۵ھ میں سندِ حدیث لی۔ اس کے بعد تادمِ رُخصت درس وتدریس اور تحریر وغیرہ سے خدمتِ دین ومسلک کرتے رہے۔

تلامذہ: آپ رحمۃ اللہ علیہ سے کثیر لوگوں نے اکتسابِ فیض کیا، اُن میں سے چند کا ذکر بطورِ تبرک ذیل میں کیا جاتا ہے:

[۱] مولانا امجد علی اعظمی متوفیٰ ۱۳۶۷ھ، صاحبِ ''بہارِ شریعت'' و''فتاویٰ امجدیہ''، جنہیں آج (خلیفۂ اعلیٰ حضرت) ''صدر الشریعہ بدر الطریقہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے- رحمۃ اللہ علیہ۔

[۲] مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، پیلی بھیتی رحمۃ اللہ علیہ متوفیٰ ۱۹۴۳ء

[۳] مولانا سید خادم حسین محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ متوفیٰ ۱۹۵۱ء، جن کی فرمائش پر محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ نے ''منیۃ المصلی'' کی لاجواب شرح ''التعلیق المجلی'' کے نام سے تحریر فرمائی۔

[۴] مولانا قاضی خلیل الدین حسن حافظ پیلی بھیتی رحمۃ اللہ علیہ متوفیٰ ۱۹۲۹ء۔ اردو زبان کے نعت گو شعرا میں ایک منفرد مقام کے حامل گزرے ہیں۔

[۵] مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی متوفیٰ ۱۳۸۳ھ، خلیفۂ اعلیٰ حضرت- رحمۃ اللہ علیہ۔

[۶] مولانا سید سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ علیہ متوفیٰ ۱۹۳۹ء، (خلیفۂ اعلیٰ حضرت) مصنف ''المبین'' اور ''النور'' (دوقومی نظریہ کی وضاحت)، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے نام ورشاگردوں میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی اور مبلغِ اسلام مولانا ڈاکٹر محمد فضل الرحمٰن انصاری رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ گزرے ہیں۔

[۷] مولانا ضیاء الدین مدنی، قطبِ مدینہ متوفیٰ ۱۳۶۴ھ، خلیفۂ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ''ضیاء الارشاد'' (مجموعۂ نعت ومنقبت) اور ''التحقیق المعلیٰ'' (سود کی حرمت کا بیان) وغیرہ کے مصنف بھی ہیں۔

[۸] مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ متوفیٰ ۱۳۸۲ھ-۱۹۶۲ء ''حیاتِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ''، ''جامع الرضوی'' (صحیح البہاری) اور ''تنویر الراج فی ذکر المعراج'' وغیرہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے علم وفضل پر آج بھی شاہد ہیں۔ (خلیفۂ اعلیٰ حضرت) [۳]

وصال: آپ رحمۃ اللہ علیہ ۸/جمادی الاولیٰ، ۱۳۳۴ھ ،۱۲/اپریل، ۱۹۱۶ء کو دارِ فنا سے دارِ بقا کے راہی ہوئے۔ امام اہلِ سنت مولانا احمد رضا خان حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا سنِ وصال اس آیت سے نکالا ۴؎:

﴿یُطَافُ عَلَیۡهِمۡ بِاٰنِیَةٍ مِّنۡ فِضَّةٍ وَّ اَكۡوَابٍ﴾ (سورۂ دہر:۱۵/۷۶)

۳۴ ۱۳ھ

ترجمہ: ''ان پر چاندی کے برتنوں اور کوزوں کا دور ہوگا۔''

کُتب وتصانیف اور حواشی ۵؎: آپ رحمۃ اللہ علیہ نے درس وتدریس اور وعظ ونصیحت کے ساتھ ساتھ قلمی میدان میں بھی گراں قدر خدمات انجام دیں اور اپنے پیچھے کئی منفرد و بے مثال رشحاتِ قلم یادگار چھوڑیں، جن میں کُتب وتصانیف اور مفید حواشی شامل ہیں۔ ان میں علومِ عقائد، تفسیر، حدیث اور فقہ کے علاوہ دیگر علوم میں تصانیف وحواشی بھی قابلِ ذکر ہیں۔

علمِ تفسیر میں: امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ کی ''تفسیر مدارک التنزیل'' پر مختصر حاشیہ۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ''تفسیر بیضاوی'' (یعنی: انوار التنزیل واسرار التاویل) پر حاشیہ۔ امام جلال الدین سیوطی شافعی وامام جلال الدین محلی رحمہما اللہ تعالیٰ کی مشہورِ زمانہ ''تفسیر جلالین'' پر حاشیہ۔

علمِ حدیث میں: امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہورِ زمانہ ''سننِ نسائی'' پر تعلیقات، جو مطبوع ہو چکی ہیں۔ امام ابوجعفر طحاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی ''شرح معانی الآثار'' پر حاشیہ، مطبوع ہو چکا ہے۔

علمِ فقہ میں: علامہ سدید الدین کاشغری حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''منیۃ المصلی'' کی شرح بنام ''**التعلیق المجلی لما فی منیة المصلی**'' تحریر فرمائی۔ جو شائع شدہ ہے۔

مولانا محمد وصی احمد سورتی اور امام احمد رضا خان حنفی رحمہما اللہ تعالیٰ

امام احمد رضا خان حنفی رحمۃ اللہ علیہ؛ محدثِ سورتی رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین میں سے ہیں۔ امام احمد رضا خان حنفی رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کے معاصر علمائے کرام ومشائخِ عظام بشمول علمائے حرمین نے چودہویں صدی کا ''مُجدِّد'' تسلیم کیا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ مُحدِّثِ سورتی رحمۃ اللہ علیہ سے بے پناہ محبت کیا کرتے تھے۔ جس کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ ''فتاویٰ رضویہ'' ۶؎ میں مُحدِّثِ سورتی رحمۃ اللہ علیہ کے بالواسطہ اور بلاواسطہ استفتا وسوالات کی تعداد تقریباً سولہ (۱۶) ہے۔

اعلیٰ حضرت کی نظر میں:

''فتاویٰ رضویہ''، ج ۱۳، ص ۴۰۱۔۴۰۶ میں ایک مسئلہ نابالغ بچوں کی وراثت سے متعلق ہے۔ امام احمد رضا خان حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے تنقیحِ مسئلہ کے بعد لکھا ہے کہ پہلے باپ، دادا یا پردادا کے وصی

کو تلاش کریں اگر کوئی نہ ملے تو اگر شہر میں کوئی عالمِ دین معتمد سُنی المذہب فقیہ متدین موجود ہو تو اُس کی طرف رجوع کریں، لہٰذا آپ فرماتے ہیں:

...... یہ تین مقام تلاش وتحقیق کے ہیں، ان میں سے جس میں بعد تلاش بھی کوئی شخص ان شرائط کا نہ ملے تو عالمِ شہر کی رائے لی جائے گی۔ یہ مسئلہ پیلی بھیت کا ہے اور وہاں ان صفاتِ مذکورہ کا (یعنی معتمد، سُنی المذہب، فقیہ، متدین) کوئی عالم نہیں سوا مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی دامت فیوضہم کے، تو ان کی طرف رجوع لازم۔

محدثِ سورتی رحمۃ اللہ علیہ معتمد، متدین اور صالح ہیں:

فتاویٰ رضویہ، ج ۱۰، ص ۶۷۳۔۶۷۶/ میں ہے کہ معتمد، متدین اور صالح شخص کو حکم کرنا چاہیے، نیز اگر لوگ کسی کارِ خیر کے لیے چندہ کریں تو اپنے علمائے شہر سے اطمینان کرلیں، مُحدّثِ سورتی رحمۃ اللہ علیہ ان ہی صفات کے حامل تھے چنان چہ امام احمد رضا خان حنفی رحمۃ اللہ علیہ مخالف کی رائے رد کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ...... یہ اُن جاہلانِ عالم نما کی جہالت کا رد تھا ورنہ نفسِ ریل واعانتِ چندہ پر فقیر نے کبھی اعتراض نہ کیا، مسلمانوں کو اتنا ضرور ہے کہ اس امرِ خیر میں ہمت کریں تو ذرائع اطمینان حاصل کرلیں اور اپنے شہر کے معتمد متدین صلحا مثل جناب مولانا **اَلاَسَـدُ الاَشَـدُّ الاَرْشَـدُ** (یعنی: ڈٹے رہنے والا شیر دین میں سختی سے قائم رہنے والا راست رو) مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی یا مولانا مولوی حکیم محمد خلیل الرحمٰن صاحب یا مولانا قاضی حافظ خلیل الدین حسن صاحب یا مکرمنا منشی محمد عتیق احمد صاحب سلمہم کو متوسط کریں، وباللہ التوفیق، واللہ تعالیٰ اعلم۔

چودہویں صدی کے علما کے خطابات:

امام احمد رضا خان حنفی رحمۃ اللہ علیہ؛ حضرت وصی احمد سورتی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں: حق پر قائم رہنے والوں میں فاضل، کامل، کوہِ استقامت، کنزِ کرامت، ہمارے دوست اور ہمارے پیارے مولانا مولوی محمد وصی احمد محدث سورتی وطناً نزیلِ پیلی بھیت ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو دین کا مددگار رکھے اور اہلِ بدعت کو خوار کرنے والا رکھے، اور اللہ تعالیٰ ان کو اچھی طرح سے حق پر ثابت رکھے کہ ممدوح مذکور کے معاش کا انتظام ایک شخص کے گھر سے ہوتا تھا، جب وہ حد سے زیادہ گزرا اور سرکش ہو کر مال دینا بند کر دیا کیوں کہ وہ محدثِ سورتی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتا تھا، لیکن فاضل مذکور کی یہ شان نہیں کہ دُنیا کو دین پر ترجیح دیتے، تو میں نے ان کا اسی دن سے **اَلاَسَدُ الاَشَدُّ الاَرْشَد** (یعنی: ڈٹے رہنے والا شیر دین میں سختی سے قائم رہنے والا راست رو) نام رکھا اور یہ تو اس لقب اور اس سے اچھے کے مستحق ہیں۔ ۷؎

محدثِ سورتی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے لیے مشعلِ راہ:

آج کے اس پُرفتن دور میں جہاں جہالت کی تاریکی تیزی سے چھا رہی ہے، وہیں بے جا ہٹ دھرمی اور واضح حق سے رُوگردانی کی بیماری عام دکھائی دیتی ہے۔ بدقسمتی سے مؤخرالذکر بیماری کچھ اربابِ علم ودانش کو بھی لاحق ہوگئی ہے کہ حق بات کو قبول کرنے میں تامل کرتے ہیں اور جلدی کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ حالاں کہ "اَلْحَقُّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ حَیْثُ کَانَ" کی عملی صورت ہمارے سامنے بہت سے اربابِ علم ودانش کی سوانح حیات میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ یہ صفت محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت میں بھی واضح نظر آتی ہے، امام احمد رضا خان حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہم عصر عالمِ دین یعنی محدثِ سورتی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں اور یہ یقیناً ہمارے لیے اس دَور میں مشعلِ راہ ہے، آپ فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا اَلاَسَدُ الاَسَدُّ الاَشَدّ (یعنی: ڈٹے رہنے والا شیر دین میں سختی سے قائم رہنے والے) مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا لہجہ جلد سے جلد حق قبول کر لینے والا تھا، اپنے جمے ہوئے خیال سے فوراً حق کی طرف رجوع لے آنے والے تھے.....''[8]۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ دولتِ بے بہا عطا فرمائے، بے جا ہٹ دھرمی سے محفوظ رکھے اور جلد سے جلد حق قبول کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔

آخر میں راقم الحروف دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام علماے حق کی کوششوں کو قبول فرمائے اور ہمیں دینِ اسلام کی خدمت کے لیے قبول فرمائے۔

☆☆☆

حوالہ جات وحواشی:

۱۔ محدثین عظام حیات وخدمات، ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، النوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، طبع دوم ۱۴۳۳ھ-۲۰۱۲م، ص۶۶۰

۲۔ محدثین عظام حیات وخدمات، ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، النوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، طبع دوم ۱۴۳۳ھ-۲۰۱۲م، ص۶۶۰

۳۔ ملخصاً از تذکرہ محدث سورتی، مؤلفہ خواجہ رضی حیدر، ص۲۶۶-۲۷۶

۴۔ دیکھیے تذکرہ محدث سورتی، مؤلفہ خواجہ رضی حیدر، ص۲۰، وص۱۹۶-۱۹۷

۵۔ ملخصاً از تذکرہ محدث سورتی، مؤلفہ خواجہ رضی حیدر، ص۲۴۰-۳۲۳

۶۔ دیکھیے فتاویٰ رضویہ، اجمالی خاکہ، ج۱، ص۵۶

۷۔ المعتمد المستند، مترجم، تاج الشریعہ مفتی اختر رضا خان، برکات المدینہ، کراچی، ص۳۲۵

۸۔ فتاویٰ رضویہ، ج۲۷، ص۲۰۰، ملخصاً

اسلامی علوم کا فروغ اور دارالعلوم منظر اسلام

غلام مصطفیٰ رضوی

ہندوستان میں انگریزوں کی آمد سے قبل ہزاروں مدارس وجامعات موجود تھے، جن کے انتظام و انصرام کے لیے شاہانِ مغلیہ نے بڑی بڑی جاگیریں وقف کر رکھی تھیں۔ یہ مدارس علم دین کے ساتھ ساتھ فلسفہ وطب، ریاضی وجغرافیہ اور حکمت کی بھی تعلیم دیتے تھے۔ دینی ودُنیوی اور مذہبی اور سیاسی قیادت انہیں مدارس کے فارغین کے ذمہ تھی۔

انگریزوں نے اقتدار پر قبضہ جمانے کے فوراً بعد مدارسِ اسلامیہ کے لیے مختص جائیدادوں کو ضبط کر لیا تاکہ مدارس مفلوک الحال ہوکر زوال پذیر ہو جائیں اور حصولِ علم دین کے جذبات سرد پڑ جائیں۔ انہیں اندیشہ تھا کہ اگر مدارس اسلامیہ کو بند نہیں کروایا گیا تو جذبۂ حریت بیدار ہو جائے گا اور ہندوستان میں برطانوی اقتدار خطرے میں آجائے گا۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد انگریز حامی علما کا ایک طبقہ پیدا ہوا، بعض کو انگریزوں سے وظیفے بھی ملا کرتے تھے اور مدارس بھی قائم ہوئے جس کے مہتمم میں بعض انگریز افسران سے راہ ورسم بھی رکھتے اور مسلمانوں میں انتشار وافتراق کے بیج بوتے تھے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ بعض علما نے اپنی تحریروں میں ایسے رجحانات تشکیل دے ڈالے جن سے عظمت وناموسِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حرف آتا تھا، ایسے وقت میں جب کہ علم کے راستے سے مسلمانوں میں اختلاف وانتشار پروان چڑھ رہا تھا اور نظریاتی واعتقادی تخریب کاری کا سامان مہیا ہو رہا تھا مفکر اسلام امام احمد رضا محدث بریلوی (ولادت: ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء- وصال: ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) نے شہر بریلی میں ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں دارالعلوم منظر اسلام کی بنیاد رکھی، جس کے فضلا نے برصغیر میں عظمت وناموسِ رسالت کے تحفظ کے لیے جدوجہد کی اور اسلامیانِ ہند میں محبت واُلفت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح پھونک دی۔

امام احمد رضا بریلوی ۵۰/ سے زیادہ علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے، مترجم ومفسر، محدث وفقیہ اور ماہر تعلیم تھے۔ وہ سائنس داں بھی تھے اور فلاسفر بھی، لیکن ایک سچے مسلمان اور فکر صحیح کے مالک تھے۔

ایک مقام پر مولوی حاکم علی بی۔اے نقشبندی مجددی (پروفیسر سائنس، اسلامیہ کالج لاہور) کو مخاطب کرتے ہوئے بڑی دل پذیر تعلیم تلقین فرماتے ہیں:

''محبِّ فقیر سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات ونصوص میں تاویلات دور

از کار کر کے سائنس کے مطابق کر لیا جائے۔ یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی، نہ کہ سائنس نے اسلام۔ وہ مسلمان ہوتی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اسے خلاف ہے سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے، دلائل سائنس کو مردود و پامال کر دیا جائے۔ جا بجا سائنس ہی کے اقوال سے اسلامی مسئلہ کا اثبات ہو، سائنس کا ابطال و اسکات ہو۔'' (۱)

بیسویں صدی عیسوی کا ابتدائی دور مسلمانوں کے لیے بڑا ہی ابتلا و آزمائش کا دور تھا، بہت سے مسلم لیڈران ہندو مسلم اتحاد کی آڑ میں مذہبی حمیت و غیرت کا سودا کر کے شعارِ شرکیہ کو رواج دے رہے تھے، ایسے حالات میں امام احمد رضا خان بریلوی نے تحریر و تصنیف کے ساتھ ہی مسلمانوں میں احیاے علم دین کے لیے دار العلوم منظر اسلام قائم کیا اور اعتقادی و عملی برائیوں کے سد باب کے لیے اپنے شاگردوں اور تلامذہ کی ایک ٹیم تیار کی۔ علاوہ ازیں، ہندوؤں سے اتحاد و وِداد کے اشد نقصانات سے مسلمانوں کو باخبر کیا۔ اس موضوع پر آپ کی تصنیف ''المحجة المؤتمنة فی آیة الممتحنة'' ۱۳۳۹ھ بڑی فکر انگیز اور دعوتِ فکر ہے۔ اس کتاب میں مخرب اخلاق انگریزی تعلیم کے بارے میں لکھتے ہیں:

''انگریزی اور وہ بے سود و تضیعِ اوقات تعلیمیں جن سے کچھ کام دین تو دین دُنیا میں بھی نہیں پڑتا جو صرف اس لیے رکھی گئی ہیں کہ لڑکے ایں و آں و مہملات میں مشغول رہ کر دین سے غافل رہیں کہ ان میں حمیت دینی کا مادہ ہی پیدا نہ ہو، وہ یہ جانیں ہی نہیں کہ ہم کیا ہیں اور ہمارا دین کیا ہے۔'' (۲)

کسی بھی تعلیمی ادارہ کے بانی کے افکار و خیالات اس ادارے کے قیام کے مقاصد کا تعین کرتے ہیں، امام احمد رضا بریلوی ایمان و عقیدے کی سلامتی کے ساتھ مسلمانوں کی ترقی کے خواہاں تھے اور ہر شعبۂ علم میں مسلمانوں کو آگے دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ کے واضح تعلیمی و تعمیری افکار و نظریات آپ کی تصانیف کے مطالعہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔

آج کل علم کا بڑا چرچا ہے، لیکن فیضِ علم نظر نہیں آتا۔ حصولِ علم کا مقصد حصولِ معاش بن کر رہ گیا ہے۔ اخلاق سے عاری تعلیم اور نصاب کی کم زوری جس میں دین فطرت کے تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ امام احمد رضا تعلیم و تعلم کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف تھے اور ایک ماہر نصاب بھی۔ بانیِ دار العلوم منظر اسلام کے تعلیمی نظریات کے حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد نقشبندی لکھتے ہیں:

کسی بھی دینی مدرسے کے بانی کے لیے ضروری ہے کہ اخلاص و فکر صحیح کے ساتھ ساتھ تعلیم کے بارے میں اس کے نظریات واضح اور مفید ہوں، اس پہلو سے جب ہم امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے تعلیمی نظریات کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ ایک بے مثال ماہر تعلیم نظر آتے ہیں۔ یہاں چند نکات پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) تعلیم کا محور دین اسلام ہونا چاہیے۔

(۲) بنیادی مقصد خدا رسی اور رسول شناسی ہونا چاہیے۔

(۳) سائنس اور مفید علوم عقلیہ کی تحصیل میں مضائقہ نگر، مگر ہیئت اشیا سے زیادہ خالق اشیا کی معرفت ضروری ہے۔

(۴) ابتدائی سطح پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نقش دل پر بٹھا دیا جائے اسی کے ساتھ ساتھ آل و اصحاب اور اولیا و صلحا کے نقوش بھی قائم کر دیے جائیں۔

(۵) جو کچھ پڑھا جائے وہ حقائق پر مبنی ہو، جھوٹی باتیں انسانی فطرت پر برا اثر ڈالتی ہیں۔

(۶) انہیں علوم کی تعلیم دی جائے جو دین و دُنیا میں کام آئیں، غیر مفید اور غیر ضروری علوم کو نصاب سے خارج کر دیا جائے۔

(۷) اساتذہ کے دل میں اخلاص و محبت اور قومی تعمیر کی لگن ہو۔

(۸) طلبہ میں خود شناسی اور خودداری کا جوہر پیدا کیا جائے کہ دست سوال دراز نہ کریں۔

(۹) طلبہ میں تعلیم اور متعلقات تعلیم کا احترام پیدا کیا جائے۔

(۱۰) بری صحبت سے طلبہ کو بچایا جائے، مفید کھیل اور سیر و تفریح اس حد تک ضروری ہے کہ طالب علم میں نشاط و انبساط پیدا ہو۔

(۱۱) تعلیمی ادارے کا ماحول پر سکون اور پر وقار ہو، تاکہ طالب علم کے دل میں وحشت اور انتشارِ فکر نہ ہو۔ (۳)

بانیِ دار العلوم منظر اسلام کی نصاب سازی اور علوم نقلیہ و عقلیہ میں مہارت پر بہت سے تحقیقی مقالات و مضامین قلم بند کیے جا چکے ہیں، علاوہ ازیں ایم۔ایڈ سطح پر دس سے زائد مقالے لکھے گئے اور ہنوز قلم کا سفر شوق جاری ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ دار العلوم منظر اسلام ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء میں قائم ہوا، پہلے سال کے تمام اخراجات امام احمد رضا بریلوی نے اپنی جیب خاص سے عنایت فرمائے، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۷۰ء میں فارغ ہونے کے بعد گھر ہی پر چند سال طلبہ کو پڑھایا، کیوں کہ منظر اسلام تو بہت بعد میں ۱۹۰۴ء میں قائم ہوا، پھر کچھ عرصہ منظر اسلام میں بھی پڑھایا ہو، بعد میں گوناگوں علمی مصروفیات کی وجہ سے گھر پر صرف مخصوص طلبہ کو مخصوص علوم و فنون کا درس دیتے رہے۔ منظر اسلام کے بانی امام احمد رضا تھے، مہتمم مولانا حامد رضا خاں اور منتظم امام احمد رضا کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا خاں تھے۔ مولانا حامد رضا خاں مہتمم بھی تھے اور شیخ الحدیث بھی، آپ نے منظر اسلام کو خوب ترقی دی، چنان چہ مولانا سلامت اللہ نقشبندی مجددی (م ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء) نے

مدرسہ منظر اسلام کا معائنہ فرمایا تو اپنی رپورٹ میں لکھا: جس کی نظیر اقلیم ہند میں نہیں۔

امام احمد رضا کے وصال کے ایک عرصہ بعد ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۴ء میں جلسۂ تقسیم اسناد ہوا تو اس میں عمائدین ہند کے علاوہ درگاہ اجمیر کے دیوان سید آل رسول علی خاں اور علی پور سیداں کے مشہور و معروف شیخ وقت سید جماعت علی شاہ نقشبندی مجددی محدث علی پوری خصوصی مہمان کی حیثیت سے شریک ہوئے'' (۴)

دار العلوم منظر اسلام کے نصاب تعلیم میں تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، صرف، نحو، بلاغت، ادب، منطق، حکمت، کلام، ریاضی، فرائض، مناظرہ وغیرہ شامل تھے۔ مجموعی طور پر پڑھائے جانے والے علوم وفنون کی تعداد ۳۰ رتھی جن کی موجودہ علوم کے لحاظ سے مزید تقسیم کی جاسکتی ہے۔

منظر اسلام سے اولین فراغت پانے والے طلبہ ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری رضوی بہاری (مصنف: حیاتِ اعلیٰ حضرت) اور مولانا رشید الدین عظیم آبادی تھے۔ اول الذکر منظر اسلام کے مدرس بھی ہوئے، آپ اپنے وقت میں علم فلکیات اور ہیئت وفلسفہ میں استاذ الاساتذہ تھے۔ منظر اسلام کے فضلا نے برصغیر میں اسلام کی ترویج واشاعت خلوص وللّٰہیت کی بنیاد پر کی اور ہر نازک موڑ پر ملت اسلامیہ کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ دینی مدارس کا جال بچھایا، جہاں عظمت الٰہی ومحبت رسالت پناہی کی تعلیم کو بنیادی حیثیت دی گئی۔ اس طرح برصغیر میں روحِ ایمان سے عاری کرنے والی جماعتوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

یہاں کے فضلا کی فہرست بڑی طویل ہے، تاہم بعض مشاہیر علم وفن کے نام تحریر کر دیے جاتے ہیں:

مولانا حشمت علی خاں لکھنوی، محدث اعظم مولانا سردار احمد فیصل آبادی، مولانا عبد الغفور ہزاروی، حافظ ملت علامہ عبد العزیز (بانی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور)، مولانا مفتی رفاقت حسین، مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن، محدث اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی، مفتی اعظم مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان، مفسر اعظم مولانا محمد ابراہیم رضا خان۔

اس دار العلوم کا نصاب امام احمد رضا خان نے خود ترتیب دیا، تعلیمی معیار کا اندازہ ان کتب تفسیر، احادیث وفقہ سے لگایا جاسکتا ہے جو منظر اسلام کی اس سند حدیث میں مذکور ہیں، جو امام احمد رضا خان کی حیات میں جاری ہوئی تھیں۔ ۲ رذی الحجہ ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء کو مولانا عبد الواحد رضوی ابن مولانا غازی الدین ساکن گڑھی کپورہ (پشاور، پاکستان) کے نام جو سند فراغت جاری ہوئی، اس پر مولانا حامد رضا خان نے بحیثیت مدیر اور مولانا رحم الٰہی اور مولانا ظہور الحسین فاروقی نقش بندی مجددی نے بطورِ مدرس دستخط فرمائے۔ اس کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں صحاحِ ستہ کے علاوہ دیگر تمام مشہور کتب حدیث، مسانید، معاجم اور شروح کا ذکر ہے، جو دار العلوم میں پڑھائی جاتی تھیں، فقہ حنفی کے علاوہ دیگر ائمہ ثلاثہ

کے مذاہب سے متعلق بھی کتب پڑھائی جاتی تھیں، مجموعی طور پر ۳۰ رعلوم کا ذکر ہے جو اس دار العلوم میں پڑھائے جاتے تھے۔ (۵)

بانی دار العلوم منظر اسلام کے تعلیمی افکار کا مطالعہ کرتے ہیں تو حیرت بڑھتی جاتی ہے، ارباب علم کو آپ کے نوادراتِ علمیہ کی سمت متوجہ ہونا چاہیے، آپ کے تعلیمی افکار ونظریات کی بہت سی جہتیں ہیں، ہر جہت میں آپ ممتاز دکھائی دیتے ہیں۔ آپ نے تعلیم کے ہر ہر شعبے میں رہنمائی فرمائی، علم اور اس کے متعلقات کے آداب بتائے، استاذ کا احترام سکھایا، تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر بھی زور دیا اور علم کے ساتھ عمل کی بھی تلقین کی۔ علم وعلما کے فضائل بتائے، علم دین کے فروغ کو مقدم رکھا، تصورِ نصاب ایسا کہ شخصیت کی تعمیر ہو سکے اور متعلم نیک وصالح طبیعت کا مالک بنے۔ عظیم اللہ جندران ایم۔اے اردو جامعہ پنجاب (لاہور) ایم۔ایڈ اسلامیہ یونی ورسٹی (بہاولپور) نے امام احمد رضا خان کے تصورِ نصاب کے حوالے سے درج ذیل نکات تحریر فرمائے ہیں:

(۱) نصاب کی سب سے اہم خوبی یہ ہونی چاہیے کہ وہ نظریۂ حیات کے مطابق تیار کیا گیا ہو، اس میں کوئی بھی ایسی چیز شامل نہ ہو جو نظریۂ حیات سے متصادم ہو۔

(۲) نصاب جامع ہو اور طلبہ کی نفسیاتی ضرورتوں کو پورا کرے۔

(۳) بے سود وقت کو ضائع کرنے والی تعلیم کسی کام کی نہیں، نصاب معاشرتی ضرورتوں کا آئینہ دار ہو۔

(۴) نصاب میں تربیتی عنصر بھی شامل ہو۔

(۵) نصاب عصری تقاضوں کے مطابق ہو، لیکن دین متین کی بنیادوں پر استوار ہو۔

(۶) آپ کے مطابق مروجہ سائنسی نظریات کو اسلامی نظریات کی روشنی میں پرکھ کر ہی نصاب کا حصہ بنانا چاہیے۔

(۷) نصاب اطاعت وحبِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سرشار ہو۔

(۸) نصاب عملاً قابل قبول ہو، کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مفید تعلیم دی جائے۔

(۹) نصاب کی تیاری کے دوران مقصدیت بھی پیش نظر ہو اور وہ دین فہمی ہو۔

(۱۰) ہر وہ علم وفن جو دین سے برگشتہ وغافل کرے، اس سے دین وایمان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اسے شامل نصاب نہیں ہونا چاہیے۔ (۶)

بانیِ دار العلوم منظر اسلام نے پاکیزہ تصور علم دیا، استاذ کے لیے درس کے شرائط کا اطلاق کیا، وہ ماہر علم وفن تھے، علوم عقلیہ میں یگانۂ روزگار اور یکتائے زمانہ تھے، انہوں نے دانشورانِ مغرب پر تنقید کی، نقلی دلائل کے ساتھ عقلی استدلال سے بھی کام لیا اور اسلامی فکر کو اجاگر کیا اور کتابیں بھی تصنیف

فرمائیں۔ چند کتابوں کے نام ملاحظہ کریں:

(۱) نزول آیات قرآن بسکون زمین وآسمان ۱۳۳۹ھ

(۲) فوز مبین در ردِ حرکت زمین ۱۳۳۸ھ

(۳) الکلمۃ الملہمۃ ۱۳۳۸ھ

(۴) مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید ۱۳۰۴ھ

(۵) معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین ۱۳۳۸ھ

آپ نے ضابطۂ اخلاق اور تصورِ سزا پر بھی بحث فرمائی ہے، تعلیمی ادارے کے ماحول اور طلبہ کی اخلاقی تربیت کے ضمن میں بھی ضوابط دیے ہیں، یوں ہی تعلیم وتعلم کے نشیب وفراز سے بھی خوب آگاہ تھے۔ الغرض! کسی بھی دینی تعلیمی ادارے کے بانی کے لیے درکار جو خوبیاں اور خصائل واوصاف ہونے چاہئیں وہ امام احمد رضا خاں بریلوی میں بروجہِ کمال موجود تھے۔

☆☆☆

حوالہ جات

(۱) احمد رضا خاں بریلوی، امام، نزول آیات فرقان بسکون زمین وآسمان، مطبوعہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، ص ۵۶

(۲) احمد رضا خاں بریلوی، امام، ترک موالات (المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ) مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۲۳

(۳) محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، دارالعلوم منظر اسلام، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، ص ۱۰۔۱۱

(۴) ایضاً، ص ۱۳۔۱۴ (ملخصاً)

(۵) عظیم اللہ جندران، امام احمد رضا کا تصور نصاب، مشمولہ یادگار رضا ۲۰۰۴ء، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۱۰۶ تا ۱۲۸

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے مطالعہ فرمائیں:

(الف) سال نامہ معارف رضا کراچی ۲۰۰۱ء، صد سالہ جشن دارالعلوم منظر اسلام بریلی نمبر

(ب) فتاویٰ رضویہ (جدید) ج ۲۳، مطبوعہ پور بندر گجرات، از امام احمد رضا خان

(ج) Imam Ahmad Raza Khan Barailvy's Theories on Education از ترک ولی محمد قادری (ایم۔اے، ای۔ایڈ، ایل۔ایل۔بی) مطبوعہ کراچی

حضور حجۃ الاسلام کی علالت ووصال پر چند تاریخی حوالے

مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

نوری دارالافتاء، مدینہ مسجد محلّہ علی خاں، کاشی پور اتراکھنڈ

شہزادۂ حضور اعلیٰ حضرت شیخ الانام حجۃ الاسلام حضرت شاہ حامد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہما شہر بریلی شریف کے محلّہ سوداگران میں ماہ نور ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء کو پیدا ہوئے۔ محمد نام اور حامد رضا عرف تجویز کیا گیا۔ والد گرامی کی آغوش محبت میں تربیت پائی اور انہیں کی بارگاہِ علم میں رہ کر علوم وفنون کی جملہ منازل طے فرمائیں۔ اور عین عالم شباب میں آپ اسلامی دُنیا میں ایک عظیم فقیہ، ایک نام ور محدث، اور ایک فقید المثال مناظر اور ماہر مصنف کی حیثیت سے سامنے آئے۔ درس گاہ میں رہے تو مدرس، خانقاہ میں درویشِ کامل، میدان میں زبردست مناظر، اسٹیج پر بے مثال خطیب میدانِ تصنیف وتالیف میں قابلِ قدر مصنف، مجالس میں عظیم دانش ور، تحریکات وتنظیمات میں رہبر ورہنما، مسجد میں عبودیت کی زندہ تصویر، گھر میں محسن ومشفق، بیگانوں میں حیاتِ نبوی کا مظہر، دُشمنوں میں نبوی اخلاق کا پیکر، بے دینوں میں شمشیرِ برہنہ، الغرض گوناگوں اوصافِ حمیدہ اللہ پاک نے آپ کے اندر ودیعت فرمائے تھے۔

آپ کے تذکرہ نگار حضرات نے خاطر خواہ آپ کے کارناموں کو اجاگر نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ نئی نسل آپ کی دینی وملی خدمات سے صحیح طور پر متعارف نہ ہو پائی۔ یہ اوراق تعارفی تفصیل کے متحمل نہیں، ان شاء اللہ کسی اور موقع پر احقر حضرت کے کارناموں کا تفصیلی بیان قلم بند کرے گا۔ یہاں بس اپنے عنوان کے مطابق حضور والا قدس سرہٗ کی علالت اور آپ کے وصال سے متعلق چند تلخ تاریخی خبریں اور واقعات کو سپردِ قرطاس کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

یوں تو کسی انسان کا بیمار ہونا اس کا انتقال کر جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے کیوں کہ ع

یوں تو دُنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

مگر جب کسی ایسی ذات کو بیماری لاحق ہو جس کی بیماری سے عالم بیمار ہو جائے، یا کوئی ایسی ذات دُنیا سے انتقال کر جائے جس کی موت 'موتُ العالِم موتُ العالَم' کی مصداق ہو، تو یقیناً اس کی موت سے زمانہ کو افسوس ہوتا ہے اور لوگ اس کی موت کو ہی صحیح طور پر موت سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں ع

موت اس کی کہ کرے جس کا زمانہ افسوس

حضور حجۃ الاسلام کی حیاتِ طیبہ کے مکمل ستر سال کا احاطہ بہت مشکل امر ہے۔ ہم یہاں آپ کی علالت ووصال سے متعلق چند تلخیاں سپردِ قرطاس کررہے ہیں۔

حجۃ الاسلام کی علالت: آپ اپنی حیاتِ طیبہ میں کئی بار مہلک بیماریوں کی زد میں آئے۔ ذیابیطس جسے شوگر کہتے ہیں یہ بیماری آپ کو وصال سے قریب پندرہ سال قبل سے لاحق تھی۔ مزید اس پر سرطان یعنی کینسر کا ہوجانا آپ کے لیے اس کی کیا حیثیت تھی اسے تو آپ جانیں، البتہ آپ کے چاہنے والوں کے لیے یہ کسی بڑی مصیبت سے کم نہ تھا۔ طرفہ تماشا یہ کہ آپ کو اس کی ذرّہ بھر فکر نہ تھی کہ یہ مہلک مرض پھوڑے کی شکل میں پشت پر سوار ہے۔ احباب بے چین ومضطرب ہیں مگر آپ کے معمولات میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں آتی ہے۔

'یادگارِ رضا' کے مدیر محترم مفتی ابوالمعانی ابرار حسین صدیقی صاحب حضور حجۃ الاسلام قدس سرہٗ کے اس مہلک مرض سے متعلق آپ کی شانِ بے نیازی کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''رُشد وہدایت کا وہ چمکتا ہوا آفتاب جس کی نورانی کرنوں نے پھیل کر اسلامی دُنیا کی فضا کو نور سے بھر دیا اور جس کی تنویر ضلالت وگم راہی کی تاریکیوں کو چاک کرکے ایک عالم کو صراطِ مستقیم پر چلانے کے لیے خضرِ راہ ثابت ہوئی اور علم وعمل کا وہ لہراتا ہوا دریا جس کی فلک بوس موجوں نے ارضِ ہند پر بکھر کر علم وعمل کے دریا بہادیے آج اس کی مبارک حیات غیر معمولی کشمکش میں ہے، یعنی حضور حجۃ الاسلام محمد حامد رضا خاں صاحب مدظلہم الاقدس تقریباً ایک ماہ سے ایک خطرناک مرض میں مبتلا ہیں، پشت پر ایک پھوڑا ہے جسے ڈاکٹر اپنی اصطلاح میں کارنیکل کہتے ہیں اور ہماری بول چال میں اسے سرطان یا ڈھیٹ کہا جاتا ہے، یوں تو صرف سرطان ہی کا ہونا ایک انسان کو ناقابلِ برداشت آلام و مصائب میں مبتلا کردینے کے لیے کافی ہے اور مزید برآں یہ کہ حضرت اقدس مدظلہ العالی کی ذیابیطس کی پرانی شکایت ہے اور اس وقت بھی شکر آرہی ہے جس کی وجہ سے مرض نے بظاہر ایک خطرناک صورت اختیار کرلی ہے۔ عشرۂ محرم کے بعد سرطان نے زور پکڑا مگر حضرت اقدس مدظلہ کی بے نیازی نے اور توکل وتحمل کے اس مجسمہ نے اپنی توجہات کو اطبا ظاہری کی طرف مبذول ہونے سے روکا۔''

(یادگارِ رضا، محرم الحرام، ۱۳۴۹ھ، ص۳)

تشخیص مرض: مگر جب احباب نے اصرار کیا تو آپ احباب کی خوشی کے لیے علاج کے لیے تیار ہو گئے۔ اطبا نے مرض کی تشخیص کی اور اسے کینسر بتاتے ہوئے آپریشن کی تجویز رکھی، البتہ شوگر ہونے کے سبب آپریشن کے مشکل ہونے کی وجہ سے ڈاکٹروں نے اولاً شوگر کا علاج شروع کیا۔ انجکشن

اور دوائیوں کے ذریعہ شوگر کو کنٹرول کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی مگر انجکشن کام نہ آئے، البتہ دواؤں سے شوگر کچھ حد تک کنٹرول کرلی گئی لیکن بعد میں پھر بڑھ گئی ازالہ نہ ہوا، ڈاکٹروں نے آپریشن کیا لیکن پھوڑا پشت سے کوکھ کی طرف بڑھ گیا۔ آخر کو ڈاکٹر حضرات علاج میں کامیاب ہوگئے۔ مدیر موصوف لکھتے ہیں:

''مگر ہماری نظروں نے جب اس مرض کی اہمیت کا احساس کیا تو ہمارے اجزاء ذہن وفکر کے شیرازے کو ایک غیر معمولی تشویش نے منتشر کردیا۔ اس وقت ہماری مشکلات کے دو مشکل باب تھے ایک تو حضرت اقدس مدظلہ کا ایسے خطرناک مرض میں مبتلا ہونا اور دوسرے حضرت کا اس موقع پر شانِ بے نیازی اور اندازِ استغنا سے کام لینا اور معالجہ کی طرف توجہ نہ فرمانا، بالآخر ہماری متحدہ کوششیں بے کار ثابت ہوئیں اور حضرت اقدس مدظلہ کو علاج ومعالجہ کے لیے مجبور ہونا پڑا، جب مزاج عالی علاج کی طرف مائل ہوا تو اطبا کو تشخیص وتجویز کا موقع دیا گیا، ڈاکٹروں سے مشورہ لیا گیا، کافی غور وخوض کے بعد اطبا یونانی اور ڈاکٹروں کی یہی تشخیص ٹھہری کہ یہ پھوڑا کارنیکل ہے، سرطان ہے، ڈھیٹ ہے۔ اس تشخیص کے بعد سب سے پہلے ڈاکٹر صاحبوں نے جس ضرورت کا احساس کیا وہ یہ تھی کہ ان تدابیر پر عمل کیا جائے جس سے شکر کا آنا بند ہو اس لیے کہ اس وقت قارورے میں شکر کا اوسط سولہ پرسینٹ تھا۔ چنان چہ فوراً عملی صورتیں اختیار کی گئیں دونوں وقت انسولین کے انجکشن ہونے لگے اور شکر کے روکنے والی مفید، مجرب اور شاطر دوائیں استعمال کرائی جانے لگیں، انجکشن کچھ زیادہ مفید ثابت نہ ہوئے دواؤں نے اپنا اثر کیا، شکر کچھ کم ہوگئی پھر بڑھ گئی، ازالہ نہ ہوا، قابل ڈاکٹروں نے آپریشن کیا مگر پھوڑا ایک سمت کو نہایت تیزی وسرعت سے کوکھ کی جانب بڑھنے لگا، حالت نہایت خطرناک تھی، بالآخر بہتر تدابیر علاج سے سکون ہوگیا۔ **وله الحمد۔**'' (مرجع سابق، ص۴)

آپریشن کا عمل: انسان کی فطرت ہے کہ مصیبت آنے کا اگر وقت سے پہلے پتا چل جائے تو قلب بے چین ہوجاتا ہے، دماغ فکرمند ہوجاتا ہے مگر حضرت کی ذات نے اس فطرت سے خود کو بے نیاز کرکے بتادیا کہ اللہ والے ایسے حالات میں بھی مضمحل وبے چین نہیں ہوتے۔ انہیں ایسے کسی عارضہ کی فکر دامن گیر نہیں ہوتی جس کا تعلق خود ان کی ذات سے ہو۔ یہی وجہ رہی کہ آپریشن سے قبل کسی طرح کی کوئی نشہ آور دوا یا انجکشن نہیں لیا اور کسی طرح کی بے صبری وبے چینی کا مظاہرہ نہیں فرمایا، بلکہ مکمل آپریشن ہونے تک بارگاہِ رسالت میں ہدیۂ درود پیش کرتے رہے جس کی برکت سے چہرے سے سکون زائل نہ ہوا، دل میں گھبراہٹ نہ ہوئی، دماغ میں زلزلۂ فکر برپا نہ ہوا، صبر وتحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا، زبان سے اُف اور آہ کی آواز نہ نکلی، آنسو کا کوئی قطرہ بحرِ چشم سے الگ ہوکر ساحلِ عارض تک نہ آیا اور جسم میں کسی طرح کی بے چینی کی تحریک نہ پائی گئی۔ بلکہ حضرت مکمل سکون واطمینان کا مجسمہ بنے آلاتِ جرح

کی آواز اور اس کے عمل قطع و برید سے بالکل بے فکر تھے۔ آپریشن کے وقت حضرت کی حالت و کیفیت پر ایمان افروز تبصرہ کرتے ہوئے مدیر موصوف لکھتے ہیں:

''ہر وہ انسان جس کی بشری احساسات میں خلل و نقصان پیدا نہ ہوا، تکلیف والم کے احساس کے لیے اسے فطرت مجبور کرتی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ نوکِ خار بدن انسانی کو مجروح کرے اور جسم انسانی پر اس کی تکلیف کا کوئی اثر نہ ہو، یہ کسی طرح کی قیاس میں نہیں آتا کہ تیز نشتر کے وار کیے جائیں اور انسان پر کرب و بے چینی کی کیفیت نہ طاری ہو۔ یہ ضرور ہے کہ بعض تکلیفیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کو انسانی طاقتیں برداشت کر سکتی ہیں لیکن تکلیف جب حد سے گزر جاتی ہے اور دائرۂ اعتدال سے اس کا قدم نکلتا ہے تو انسانی طاقتیں مضمحل ہو جایا کرتی ہیں۔ اور اس وقت ایک انسان میں ضبط و تحمل کا یارا باقی نہیں رہتا یہی درجۂ **تکلیف مالایطاق**' کا ہے اور یہی منزل ہر تکلیف کے عروج وارتقا کی انتہائی منزل ہے۔ تکلیف کے اس درجہ میں قدم رکھ کر ایک انسان میں اضطراب وارتعاش کا نہ پیدا ہونا اس کا جادۂ استقلال سے نہ ہٹنا، اس کا مرکزِ تحمل پر قائم رہنا اگر محال نہیں تو قریب بہ محال ضرور خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن حضور پُر نور حجۃ الاسلام مدظلہ نے آپریشن کے وقت ضبط و تحمل اور صبر و استقلال کی جو شان قائم فرمائی اس نے اس حقیقت کو ایک ناقابلِ انکار حقیقت بنا دیا کہ خدا کے وہ برگزیدہ بندے جن میں روحانیت کا عنصر غالب ہوتا ہے؛ جسمانی تکالیف کی بجلیاں ان کے خرمنِ تحمل پر ذرّہ برابر اثر نہیں کر سکتیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس مقالہ میں حضرت اقدس کے ضبط و تحمل اور صبر و استقلال کا ایک مختصر سا خاکہ ضرور کھینچوں تا کہ حضرت اقدس کا یہ اسوہ ہر موقع پر ہر مبتلائے مصائب و آلام کے سامنے ضبط و تحمل اور صبر و استقلال کا درس پیش کرتا رہے۔ محرم کی بیس تھی بدھ کا دن تھا، صبح کے چھ بجے تھے، اس خبر سے آج حضرت اقدس کے پھوڑے کا آپریشن ہونے والا ہے آستانۂ عالیہ رضویہ پر مخلوق کا ایک غیر معمولی ہجوم تھا۔ ڈاکٹر آئے، آپریشن کی تیاریاں ہوئیں، ڈاکٹروں نے رحم کا لباس اُتارا، بے رحمی کا جامہ پہنا، یہ وہ نازک وقت تھا کہ حضار کے قلوب میں خوف ہیبت اور بیم و ہراس سے ایک غیر معمولی لرزش تھی، اس لیے کی جس آپریشن کی تیاریاں ہو رہی تھیں یہ کوئی معمولی آپریشن نہ تھا۔ مگر حضرت اقدس مدظلہ پر اس آنے والی تکلیف سے جس کے تصور نے حضار کے دل ہلا دیے تھے ذرّہ برابر ہراس نہ تھا۔ آپریشن کے وقت کسی مسکر یا نشہ آور دوا کا استعمال نہیں کیا گیا۔ آپریشن اور عملِ جراحی کے لیے جب ڈاکٹروں کے ہاتھ پھوڑے پر پہنچے، اس وقت حضرت اقدس پر ایک سکون طاری تھا۔ ڈاکٹروں نے پہلے پھوڑے کے ہر چہار طرف انجکشن کیے اور ان کے بعد عمل جراحی شروع ہوا۔ جو لوگ انجکشن کی تلخیوں اور بدمزگیوں سے آشنا ہیں وہ اس سے اچھی طرح واقف ہیں کہ تندرست انسان کے صحیح وسالم حصۂ بدن پر انجکشن کا ہونا

روحانی اذیت کا باعث ہوتا ہے، مگر باوجود اس کے کہ پھوڑے میں متعدد انجکشن کیے گئے لیکن اس مجسمۂ صبر و تحمل کی زبان سے ایک لفظ بھی ایسا نہ نکلا جو کرب و بے چینی یا اضطراب و تکلیف کی ایک ادنیٰ سی ترجمانی کر سکتا۔ انجکشن کے بعد آپریشن کا آغاز ہوا شگاف کیے گئے، گو یہ ضرور ہے کہ شگاف گہرے کیے گئے مگر شگاف کی تکلیف کوئی ایسی تکلیف نہیں ہوتی جس کی تاب نہ لا کر ایک انسان اپنے جامۂ صبر و قرار کو تار تار کر دے، لیکن شگاف کے بعد جب پھوڑے کے اندرونی حصہ میں آپریشن کے آلات سے کام لیا گیا، فاسد گوشت کی قطع و برید کی گئی اور پھوڑے کے ناقص اجزاء کو تراش تراش کر باہر لایا گیا یہ تکلیف ایک ایسی تکلیف تھی جس کا تصور اس وقت بھی میرے دل و دماغ پر ایک پریشان کن اور وحشت افزا اثر کر رہا ہے۔ اور یہ وہ تکلیف تھی جس کا تحمل ایک جری سے جری انسان کی جرأت و شجاعت بھی کسی طرح نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن حضرت اقدس کی روحانی طاقتوں نے اس شدید اور نا قابلِ برداشت تکلیف کا اس بے نیازی کے ساتھ تحمل کیا کہ جسم نازک پر ایک خفیف سا تحرک اور ایک ہلکی سی بھی لرزش نہ پیدا ہو سکی۔ زبان سے اُف تک نکالنا کرب و بے چینی کا ظاہر کرنا اس کا تو مذکور ہی کیا۔ آپریشن کے وقت یہ حیرت خیز منظر قابلِ دید تھا کہ حضرت اقدس پر ایک سکونِ مطلق طاری تھا اور آپ اطمینان کے ساتھ محوِ استراحت تھے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ زخم پر نشتر عملِ جراحت کر رہا تھا یا کسی پھول کی ایک نرم و نازک رگ تھی جو پھوڑے سے مس کر رہی تھی۔ دن رات کا مشاہدہ ہے کہ ایک معمولی سے آپریشن کے وقت مریض کے دست و پا کی گرفت کر لی جاتی ہے اور اسے با قابو کر دیا جاتا ہے مگر حضرت اقدس کے دست و پا کو ہاتھ لگانے کی کوئی شخص جرأت نہ کر سکا۔ آپریشن کے آغاز سے آپ کے مبارک لبوں پر درود شریف کے پیارے پیارے الفاظ جاری ہوئے۔ اور اختتام تک آپ برابر درود شریف کا شغل فرماتے رہے۔''

(مرجع سابق، ص ۴۔۵)

آپریشن کی تکمیل: آپریشن تو ہو گیا لیکن جس پھوڑے کا آپریشن ہونا تھا وہ پشت سے جانب کوکھ منتقل ہو گیا، جس کے سبب آپریشن میں کافی دقت ہوئی۔ بالآخر ڈاکٹر آپریشن میں کامیاب ہوئے، مگر رب کو کچھ اور ہی منظور تھا، آپریشن کے بعد زخم نے ناسور کی صورت اختیار کر لی اور پھر پندرہ دن تک روزانہ آلاتِ جراحت سے قریب ایک گھنٹہ تک زخم کے فاسد مادے کے اخراج کی کوششیں جاری رہیں، اور پھر جا کر زخم مندمل ہونے لگا اور حضرت کی حالت روبہ صلاح نظر آنے لگی۔ البتہ شوگر کے مرض کا خاطر خواہ ازالہ نہ ہو سکا۔ مدیر موصوف لکھتے ہیں:

''آپریشن مفید ثابت ہوا، آپریشن سے قبل پھوڑا ایک سمت کو بڑھ رہا تھا مگر آپریشن کے بعد اس کا درد زیادہ ہو گیا۔ ہمارا یہ خیال تھا کہ آپریشن اگرچہ نا قابلِ برداشت روحانی و جسمانی تکلیف کا

باعث ہوگا، مگر آئندہ کے لیے آلام ومصائب کا کلیۃً سدِ باب کردے گا۔ لیکن ہمارا یہ خیال غلط ثابت ہوا اس لیے کہ آپریشن کے بعد تقریباً پندرہ یوم آلاتِ جراحت نے زخم سے کم وبیش ایک ایک گھنٹہ روزانہ چھیڑ چھاڑ جاری رکھی۔ ہر دن طرح طرح سے زخم پر عملِ جراحی کیا گیا اور زخم سے فاسد اجزاء کی قطع و برید کی گئی۔ یہ عمل ہر دن اپنے ساتھ آلام ومصائب کا ایک پہاڑ لے کر آتا تھا لیکن حضرت اقدس پر، اس جبلِ تحمل اور کوہِ استقامت پر کبھی نام کو بھی سراسیمگی یا اضطراب نہیں پایا گیا آپ نے نہایت مسرت و احترام کے ساتھ ہر تکلیف کا خیر مقدم کیا۔

ممکن ہے کہ میرے اس جملہ پر بعض ظاہر بیں نگاہیں دندان اعتراض تیز کرنے کی جرأت کریں اور یہ کہیں کہ تکلیف کے وقت آزردہ ہونا، سراسیمہ ہونا، مضطرو بے قرار ہونا انسانی فطرت کا مقتضا ہے، کوئی انسان مسرت کے ساتھ ایک ادنیٰ سی بھی تکلیف کے سامنے اپنے آپ کو پیش نہیں کیا کرتا۔ ایسے افراد کے جواب میں صرف اس قدر عرض کیا جانا کافی سمجھا جاتا ہے کہ ایسا کہنا نہ صرف بدیہات سے انکار کرنا ہے بلکہ مشاہدات وتجربات کو بھی ناقابلِ تسلیم ٹھہرانا ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عشق ومحبت خواہ حقیقی ہو یا مجازی جب انسان کے دل میں اس کا صادق جذبہ پیدا ہوجاتا ہے تو وہ وصلِ محبوب کی تمنا میں نہ صرف اپنے آپ کو ہر تکلیف ہی میں ڈالنے کے لیے تیار ہوجاتا ہے بلکہ وہ محبوب کی جانب سے ہر آنے والی تکلیف کا ایک غیر معمولی مسرت وانبساط کے ساتھ خیر مقدم کرتا ہے۔ آپ نے عشاقِ الٰہی کے افسانے سُنے ہوں گے اور آپ نے اوراقِ تاریخ میں قیس عامری اور فرہاد کے واقعات دیکھے ہوں گے؛ حضرت اقدس مدظلہ العالی کا ان 'مالایطاق' تکالیف میں مبتلا ہونا پھر ہر تکلیف کا مسرت کے ساتھ احترام کرنا بجز اس کے اور کوئی معنی نہیں رکھتا کہ آپ سمجھتے تھے کہ ہر آنے والی تکلیف کو اس محبوبِ حقیقی سے نسبت ہے، جس کے وصل کی ایک ادنیٰ سی تمنا پر جانِ عزیز سو بار قربان کردینا ایک معمولی سی بات ہے۔ باوجود اس کے کہ حضرت پر شدائد وتکالیف کا ہجوم رہا اور اب بھی ہے، مگر ان آلام و مصائب کے مقابلہ میں تسلیم ورضا کا یہ عالم ہے کہ جب آنے والے مزاجی کیفیت دریافت کرتے ہیں تو جواب میں بجز 'الحمدللّٰہ رب العلمین' کوئی دوسرا لفظ نہیں کہا جاتا۔ اور نہ کسی تکلیف کو ظاہر فرمایا جاتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کا افسانہ حق ہے اور ہر زبان پر جاری ہے مگر آج ہماری آنکھوں نے حضرت اقدس کی ذات میں 'صبرِ ایوبی' کی جھلک دیکھ لی۔ مقربینِ بارگاہِ خداوندی کے تسلیم و رضا کے افسانے ہم نے سنے تھے مگر آج ہماری آنکھوں نے اس مقدس ذات میں اس کا مشاہدہ کرلیا۔

مرض کی موجودہ حالت: آپریشن ہونے سے پھوڑے نے ایک بڑے زخم کی شکل اختیار کرلی تھی زخم کو ناقص گوشت چھپائے ہوئے تھا مگر آپریشن کے بعد زخم پر جو سلسلۂ عملِ جراحی نما جاری رہا اور برابر

قطع و برید اور تراش وخراش ہوتی رہی اس سے زخم نے اچھی صورت اختیار کرلی اور اب بفضلہٖ عزوجل زخم کی حالت دن بہ دن روبہ اصلاح نظر آرہی ہے۔ اگر زخم میں کوئی جدید خرابی نہ پیدا ہوئی تو ان شاء اللہ تعالیٰ زخم کے اندمال کی جلد توقع کی جاتی ہے۔ مگر شکر کا سلسلہ اس وقت تک بند نہیں ہوا یہی ایک ایسی بات ہے جو اس مرض کے لیے خطرناک خیال کی جاتی ہے، شکر کو روکنے کے لیے ہر امکانی تدبیر اختیار کی جارہی ہے، صحت کا اختیار اللہ عزوجل کو ہے۔'' (مرجع سابق، ۵۔۶)

معالجین کی ہم دردی پر اظہارِ تشکر: علاج کرنا آسان ہے لیکن علاج کی تشخیص از حد مشکل امر ہے، حضرت کا علاج وآپریشن جناب ڈاکٹر علوی صاحب اسسٹنٹ سرجن بریلی، اور ڈاکٹر نوشہ علی خاں صاحب بریلوی نے کیا۔ پہلے انہوں نے مرض کی تشخیص کی، پھر اس کے بعد آپریشن کا مشورہ دیا، نیز علاج کے ساتھ ساتھ اگر ادب، خلوص، اخلاق، ہم دردی اور محبت کا جذبہ بھی کارفرما ہو تو خطرناک سے خطرناک مرض معمولی صورت اختیار کرلیتا ہے، اور آخر کو اختتام کی منزل کو پہنچ جاتا ہے۔ یہاں بھی یہی صورتِ حال رہی، اس مہلک مرض کی تشخیص کے بعد آپریشن تو ہونا ہی تھا مگر ان دونوں حضرات نے جس طرح اپنی ہم دردی اور محبتوں کا مظاہرہ فرمایا وہ یقیناً لائق صد ستائش تھا۔ اسی لیے مدیر موصوف ان کا شکریہ ادا کیے بغیر نہ رہ سکے۔ لکھتے ہیں:

''گو بسلسلۂ علاج مشورے میں اطبا یونانی بھی شریک ہوئے مگر علاج کا زیادہ تعلق ماہرینِ طبِ انگریزی سے رہا۔ جناب ڈاکٹر علوی صاحب اسسٹنٹ سرجن بریلی، ڈاکٹر نوشہ علی خاں صاحب بریلوی کے ہاتھ پر علاج کی ابتدا ہوئی، ان ہر دو اصحاب نے جس ہم دردی اور خلوص کے ساتھ علاج کیا۔ اس کا اعتراف نہ کرنا ایک شدید اخلاقی جرم ہے۔ اس میں شبہہ نہیں کہ مرض کی صحیح تشخیص وتجویز ازالۂ مرض کا ایک زبردست موجب خیال کی جاتی ہے اور نازک سے نازک مریض کو مرض کے خطرناک گرداب سے نکال کر صحت وعافیت کے ساحل پر پہنچادیتی ہے۔ مگر طبیب کا ہم درد ہونا معالج کا خلوص و ایثار کے ساتھ علاج کرنا یہ وہ کمیاب اور گراں قدر نسخہ ہے کہ مریض کی تکالیف کے ازالہ کے لیے اکسیرِ اعظم کا حکم رکھتا ہے۔ ان ہر دو اصحاب کا اگر خلوص وایثار نہ بھی ہوتا اور محض ان کی سرسری تشخیص وتجویز حضرت اقدس کے ازالۂ مرض کا سبب قرار پاتی اس وقت بھی ہمارے قلم اور ہماری زبان سے موٹے موٹے الفاظ میں ان کے لیے شکریہ کے الفاظ نکلتے، لیکن اس صورت میں جب کہ ان ہر دو اصحاب کی ہم دردی خلوص اور ان کے ایثار کا تماشا ہماری آنکھوں نے دیکھ لیا اور ان کی ذہنی ودماغی کاوشوں کا ہم نے معائنہ کرلیا تو اس وقت نہ صرف ہماری زبان اور ہمارا قلم بلکہ ہمارے بدن کا ہر رونگٹا ان ہر دو اصحاب

کے شکریہ میں رطب اللسان ہے۔

طبِ انگریزی کی ان دونوں مایۂ ناز ہستیوں کا طریقِ علاج اس درجہ دل پذیر اور جاذبِ توجہ ہے کہ انہوں نے اس موقع اور اس مقام پر جہاں طبِ انگریزی پر ہمیشہ طبِ یونانی کو ترجیح دی جاتی ہے؛ طبِ انگریزی کے اصول کے ماتحت علاج کا وہ اسلوب اختیار کیا کہ طبِ انگریزی کی لاج رکھ لی۔ اور صحت کی جلد سے جلد توقع کی جانے لگی ہمارا ضمیر ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم ڈاکٹر نوشہ علی خاں صاحب کا پھر خصوصیت کے ساتھ شکریہ ادا کریں اس لیے کہ معالجِ خصوصی ہونے کے لحاظ سے آپ کا ایثارِ خلوص اور آپ کی ذہنی و دماغی کاوشیں بہت زیادہ قابلِ ستائش ہیں اور لائقِ تحسین ہیں۔'' (مرجع سابق، ص ۶۔۷)

حضرت کی علالت اور اسلامی دُنیا میں بے چینی: حضرت کی علالت کو لے کر صرف اہلِ خانہ ہی فکرمند نہ تھے بلکہ ان کے لیے پوری جماعت فکرمند، بے چین و مضطرب ہوگئی تھی۔ اور جماعت کا فکرمند ہونا بلا وجہ نہ تھا بلکہ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ حضرت اہلِ سنت کا قیمتی سرمایہ تھے۔ اور سرمایہ کے ضائع ہوجانے کے ڈر سے جماعت کا بے چین و مضطرب ہونا لازمی تھا۔ حضرت کی صحت کے لیے بہت سے مقامات پر خصوصی دعاؤں کا انتظام کیا گیا۔ اخبارات و رسائل میں دعا کی درخواستیں پیش کی جانے لگیں۔ مدیر موصوف لکھتے ہیں:

''حضرت اقدس مدظلہ کی علالت سے ملک کے عرض وطول میں بے چینی کی ایک زبردست لہر پیدا ہوگئی ہے۔ ملک کے اطراف وجوانب سے لوگ بے چین ہوکر آرہے ہیں۔ تار اور خطوط کی یہ کثرت ہے کہ جواب میں دشواری ہوتی ہے۔ ہندوستان کے اکثر وبیش تر مقامات پر حضرت اقدس کی صحت کے لیے دعائیں ہوئیں اور بہت سے مقامات میں دعا کا اب بھی التزام ہے۔ ہم ناظرین 'یادگارِ رضا' کی خدمت میں بھی پرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس وقت تک حضرت اقدس کی صحت کے لیے دعا کرتے رہیں جب تک حضرت اقدس کی صحتِ کاملہ کا مژدہ نہ سُن لیں۔'' (مرجع سابق، ص ۷)

مسلمانانِ اہلِ سنت سے دعاے صحت کی درخواست: مدیر موصوف نے حضرت کی صحت کے لیے اہلِ سنت سے دعا کی اپیل پر مشتمل ایک مراسلہ- الفقیہ (امرتسر)- روانہ فرمایا۔ جس میں حضرت کے مرض کی قدرے تفصیل اور علاج وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے اہلِ سنت سے دعاؤں کی درخواست پیش کی ہے، ملاحظہ فرمائیں الفقیہ میں درج مدیر موصوف کا مراسلہ:

''حجۃ الاسلام حضور پُرنور مولانا مولوی شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب زیب سجادہ عالیہ قدسیہ رضویہ دامت برکاتہم ہفتہ عشرہ سے سخت مریض ہیں۔ پشت میں ایک پھوڑا جسے ڈاکٹر کارنیکل سرطان

تجویز کرتے ہیں۔ مرض نے خطرناک صورت اس لیے اور بھی اختیار کرلی ہے کہ حضرت صاحب مدظلہ کو ایک مدت سے ذیابیطس کی شکایت چلی آرہی ہے۔ آپریشن کیا گیا مگر آپریشن کے وقت کوئی مضر اور نشہ آور دوا نہیں سنگھائی گئی۔ حضرت صاحب مدظلہ نہایت صبر وتحمل کے ساتھ مرض کا مقابلہ کررہے ہیں۔ تکالیف کی انتہا ہوچکی مگر ساتھ ہی ساتھ حضرت صاحب کا صبر وتحمل- لائق ہزار ستائش ہے۔ معالجہ میں بعونہٖ تعالیٰ.....اسے اور ازالۂ مرض ہر پنجگانہ نماز کے بعد عموماً اور جمعہ کی نماز کے بعد خصوصاً دعا کا التزام فرمایا۔ ائمہ مساجد کی خدمت میں خصوصیت کے ساتھ میری گزارش ہے کہ وہ بتاریخ ۳۰ر جون ۱۹۳۰ء بروز دوشنبہ بعد نماز جماعت کے ساتھ حضرت اقدس مدظلہ کی صحت وعافیت (کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ پاک حضرت اقدس کو صحت) تامہ عاجلہ کاملہ عطا فرمائے۔ آمین۔

مجھے اس امر کا بہت زیادہ افسوس ہے کہ ۲۳، ۲۴، ۲۵ر صفر جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے عرس مبارک کا زمانہ ہے قریب ہے۔ اور یہ رضوی برات کا دولہا ہے جس کے دم سے عرس کی ساری بہاریں ہیں، اس خطرناک مرض میں مبتلا ہے۔ ایسی حالت میں امید کرتا ہوں کہ برادرانِ اہلِ سنت میری اس اپیل کو سامعِ قبول سے سنیں گے اور اس پر جلد از جلد عمل پیرا ہوں گے۔

مکلّف: آپ کا نیاز مند ابوالمعانی محمد ابرار حسن صدیقی مفتی جماعت رضائے مصطفیٰ محلّہ سوداگران بریلی۔ (۲۸ر جون ۱۹۳۰ء ص ۸)

مندرجہ بالا مراسلہ پر مدیر الفقیہ دعائیہ نوٹ لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہم بھی بہ درگاہِ رب العزت دعا کرتے ہیں اور ناظرینِ الفقیہ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ قبلہ حضرت مولانا مولوی شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب کو جلد صحت عطا فرمائے۔'' (مرجع سابق)

اجلاس انجمن خدام الصوفیہ مرادآباد میں حضرت کے لیے دعاے صحت: ۲۷ر جون ۱۹۳۰ء جمعہ کے دن جناب محمد طاہر صاحب سوداگر وصدر انجمن ہٰذا محلّہ تمبا کو والا کے مکان پر انجمن خدام الصوفیہ کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں دو ریزولیوشن پاس کیے گئے۔ جس میں سے دوسرا ریزولیوشن حضرت حجۃ الاسلام کی دعاے صحت پر مشتمل تھا۔ ملاحظہ فرمائیں انجمن کے سیکریٹری محترم جناب شوکت حسین صاحب کی درج ذیل تحریر:

''حضرت عالی مرتبت حجۃ الاسلام مولانا مفتی شاہ حامد رضا خاں صاحب دامت برکاتہم کی صحت کے لیے شافی مطلق کے درگاہ میں یہ جلسہ دعا کرتا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ حضرت موصوف کو شفاے تام مرحمت فرمائے، کہ ان کی ذات سے دین کو تقویت ہے۔ اور عوام اہلِ سنت کی جانب سے حضرت کی

صحت کے لیے مراد آباد کی تمام سنی مساجد میں دعاؤں کا اہتمام کیا گیا۔ چنان چہ بعد نماز جمعہ بالحاح و زاری بارگاہِ الٰہی میں دعائیں کیں۔

مرسلہ: شوکت حسین سیکریٹری انجمن خدام الصوفیہ مراد آباد۔ (الفقیہ، ۲۷؍جولائی ۱۹۳۰ء ص ۶، یادگارِ رضا، محرم ۱۳۴۹ھ، ص ۸، السواد الاعظم مراد آباد، صفر ۱۳۴۹ھ، ص ۱۰)

اجلاس انجمن خدام الصوفیہ گجرات میں حضرت کے لیے دعاے صحت: ۱۱؍جولائی ۱۹۳۰ء بروز جمعہ بعد نماز جمعہ مسجد حاجی پیر بخش مرحوم لاہوری میں جناب قبلہ سید حافظ پیر ولایت شاہ صاحب جماعتی کی صدارت میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ اس میں بھی حضرت کی دعا سے متعلق ریزولیوشن پاس ہوا۔ انجمن خدام الصوفیہ گجرات کے سیکریٹری منشی احمد الدین ٹھیکہ دار صاحب کی تحریر ملاحظہ فرمائیں:

''یہ جلسہ حضرت قبلہ عالم، عالم باعمل، فاضل اجل جناب مولانا مولوی حامد رضا خاں صاحب بریلوی کے لیے بارگاہِ ایزدی سے مستدعی ہے کہ قادرِ مطلق اپنے فضل وکرم سے حضرت مولانا کو شفاکلی عطا فرمائے۔ اور ہم مسلمانوں پر تا قیامت آپ کا سایہ عاطفت قائم رکھے۔ آمین ثم آمین۔

خادم الفقرا منشی احمد الدین ٹھیکہ دار وسیکریٹری انجمن خدام الصوفیہ گجرات پنجاب،

(۷؍اگست ۱۹۳۰ء، ص ۱۰)

حضرت کی صحت کے لیے ہر جگہ دعائیں ہونے لگیں۔ اسی موقع پر جب کہ دعاؤں کا سلسلہ جاری تھا مولوی حبیب احمد صاحب مدنی تلہری نے حضرت کی صحت وشفایابی کے لیے ایک دعائیہ نظم لکھی۔ جو اکثر جلسوں میں پڑھی گئی، ہم یہاں اس نظم کو پیش کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:

دین کے پیشوا شاہِ حامد رضا — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
وارثِ مصطفیٰ شاہ حامد رضا — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
نائبِ مرتضیٰ شاہ حامد رضا — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
قادری رہنما شاہ حامد رضا — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
جان احمد رضا شاہ حامد رضا — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
تیرے بندے یہ کرتے ہیں تجھ سے دعا — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
نیش سرطاں کا مٹ جائے نام اور پتا — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
آئے طیبہ سے ایسی نسیم شفا — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
بزم رضوی رہے تیرا روشن دیا — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا

دشمنانِ نبی دیکھیں نیچا سدا — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
باغِ سنت رہے یوں ہی پھولا پھلا — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
پار بیڑا ہو دریاے غم سے مرا — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
وہ مبارک گھڑی جلد سب کو دکھا — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
تیری رحمت سے ہم کو یہ ہے آسرا — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
گڑگڑا کر ترے آگے ہے التجا — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
صدقہ عیسیٰ نفس پیارے محبوب کا — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
بہر صدیق یار و رفیق حرا — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
پے فاروق و عثمان امام وریٰ — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
بہر مولا علی شاہِ ملک ولا — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
پے خیرالنساء سیدہ فاطمہ — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
بہر حسنین جان و دلِ مصطفیٰ — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
پے غوث ورا محی دین ہدیٰ — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
نوری سرکار مارہرہ کا واسطہ — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
سنیوں آؤ مل کر کہیں برملا — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
خیریت سے رہیں مصطفیٰ رضا — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا
شاہ اچھے میاں پیر کا واسطہ — اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا

ہے حبیب اپنی ہر لمحہ دل سے دعا
اچھے ہوں یا خدا شاہ حامد رضا

دعاؤں کا اثر: اہلِ سنت کی دعائیں رنگ لائیں اور اللہ پاک نے اپنے حبیب پاک کے طفیل حضرت کو کینسر کے مہلک مرض سے نجات عطا فرمادی۔ البتہ شوگر بدستور باقی رہی، لیکن اہلِ سنت کے لیے یہ کوئی معمولی بات نہ تھی کہ حضرت کو کینسر جیسے مہلک مرض سے نجات مل گئی تھی۔

مدیر موصوف حضرت کے اس مہلک مرض سے صحت یابی کی خوش کن خبر دیتے ہوئے یادگارِ رضا کے اداریہ میں لکھتے ہیں:

''پچھلی اشاعت میں حضور پرنور حضرت حجۃ الاسلام زیب سجادہ عالیہ قدسیہ رضویہ مدظلہ العالی کی علالت کے تفصیلی حالات میں بیان کر چکا ہوں۔ یہ بات میرے علم میں ہے کہ حضرت اقدس مدظلہ العالی

کی وحشت اثر خبر نے مسلمانانِ اہلِ سنت کے دلوں میں بے چینی کی ایک زبردست لہر پیدا کر دی تھی۔ ایسی صورت میں میرا پہلا فرض ہے کہ میں آج خوش خبری مسلمانانِ اہلِ سنت کو سنا دوں کہ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اس پیشوائے اسلام کو مسلمانانِ اہلِ سنت کے اس ماویٰ وملجا کو اس خطرناک مرض سے جو انسانی حیات کے لیے فنا کا ایک مستقل پیام سمجھا جاتا ہے نجات بخشی۔ گو یہ ضرور ہے کہ اس وقت تک کلیۃً ازالہ نہیں ہوا، بعض شکایات اس وقت بھی موجود ہیں۔ شکر کا سلسلہ اب بھی جاری ہے مگر الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ سرطان کا وہ زخم جس نے حضرت اقدس کی حیاتِ مبارک کے سامنے خطرات کے پہاڑ لا کر کھڑے کر دیے تھے وہ بالکل مندمل ہو گیا۔

مرض تو ایک بھی معمولی خطرے سے خالی نہیں ہوتا اور اس سے استغنا اور بے پروائی کبھی انسان کی ہلاکت کا باعث بن جاتی ہے۔ مگر حضرت اقدس کی موجودہ شکایات ایسی شکایات نہیں جو زیادہ فکر و تشویش کا باعث ہو سکیں۔ جس رحیم و کریم مالک و خالق نے ہم پر یہ عظیم فضل کیا ہے کہ حضرت کو ایسے موذی مرض سے صحت بخشی عافیت عطا فرمائی۔ وہ قادر و حکیم (عزوجل) حضرت اقدس کی ان شکایات کا بھی جلد ازالہ فرما دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا حضرت اقدس کو ایسے شدید مرض سے نجات بخشنا یہ اس کا اسلامی دُنیا پر ایسا زبردست احسان ہے، جس کے ذمۂ شکر سے جملہ کائنات اسلام عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ مگر ہمیں اپنی دعاؤں کو حضرت کی صحت و عافیت کے لیے اس وقت تک جاری رکھنا چاہیے جب تک ہمارے کان یہ نہ سُن لیں کہ حضرت اقدس مدظلہ العالی کو کوئی ایسی شکایت باقی نہیں رہی جس کا تعلق کسی جسمانی مرض سے ہو۔''

حضرت کی سابقہ معمولات کی بجا آوری: حضرت اس مہلک و موذی مرض کے سبب حاضری مسجد سے معذور تھے۔ لیکن ایک ماہ کی طویل غیر حاضری کے بعد حضرت نے پھر سے مسجد میں آمد و رفت شروع کر دی۔ مدیر موصوف لکھتے ہیں:

''حضور پر نور حضرت حجۃ الاسلام زیب سجادہ عالیہ رضویہ مدظلہ کی علالت جس کا تفصیلی طور پر میں پچھلی اشاعت میں تذکرہ کر چکا ہوں۔ یہ علالت کوئی معمولی علالت نہ تھی، اس علالت نے حضرت اقدس کو نقل و حرکت سے بالکل مجبور کر دیا تھا۔ حضرت اقدس تقریباً ایک ماہ مسجد میں تشریف نہ لا سکے۔ جب فضل ایزدی سے حضرت اقدس کی مزاجی حالت رو بہ اصلاح ہوئی اور اتنی تاب و طاقت پیدا ہوئی کہ حضرت اقدس آرام کرسی پر مسجد میں تشریف لا سکیں تو حضرت اقدس نے دفعتاً مسجد کی حاضری کا قصد فرمایا۔ اور اب کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو حضرت اقدس کو اس ارادے سے باز رکھتی۔''

حضرت کے کامیاب آپریشن پر احباب کی خوشی اور ان کی جانب سے ہدیہ تبریک: اور جس دن حضرت نے حاضری مسجد کا ارادہ فرمایا محبین و معتقدین کی جانب سے ہدیہ تبریک کا سلسلہ شروع

ہو گیا۔ اسی موقع پر جماعت رضائے مصطفیٰ کے صدر حضرت منشی ہدایت یار خاں صاحب نوری نے حضرت کی صحت یابی پر منظوم ہدیہ تبریک پیش کیا۔ ملاحظہ ہو یادگارِ رضا کا اداریہ:

''وہ دن جب کہ حضرت اقدس نے مسجد کی حاضری کا قصد فرمایا عقیدت مندانِ بارگاہِ حامدیہ کے لیے انتہائی مسرت و شادمانی کا دن تھا۔ فوراً مبارک باد کی تیاریاں ہوئیں عین اس وقت جب کہ عقیدت مندانِ بارگاہِ حامدیہ مبارک باد کی ڈالی نہایت تزک و احتشام کے ساتھ حضرت کی خدمت میں لا کر پیش کرنے والے تھے اس وقت حامیِ سنت ماحی بدعت جناب منشی ہدایت یار خاں صاحب نوری رضوی بریلوی صدر جماعت رضائے مصطفیٰ نے فی البدیہہ یہ چند اشعار مبارک باد میں لکھے، جو ہدیۂ ناظرین ہیں:

نوید دل و جان و ایماں مبارک — ہمیں شاہ حامد رضا خاں مبارک
ہے سایہ کناں ظلِ سبحاں مبارک — ترے سر پہ رحمت کا داماں مبارک
ابوبکر و فاروق و عثمان و حیدر — ہے سایہ فگن شاہِ جیلاں مبارک
یہ سب شاہِ برکات کی برکتیں ہیں — کہ گونج اُٹھیں شہروں کی گلیاں مبارک
تو اچھے کا اچھا ہے جب تو ہے اچھا — تجھے صحت جان و ایماں مبارک
یہ ہے فیض آلِ رسول احمدی کا — جبیں پر ہے نور درخشاں مبارک
رضا کی رضا جوئیاں کام آئیں — ہوا مسند آرائے دوراں مبارک
اعزہ ترے شاد و آباد خرم — ترے دُشمنوں کو ہو زنداں مبارک
ہمیں مدعائے دلی مل گیا ہے — تمھیں فتح نوشہ علی خاں مبارک
ملے قیس کو غسلِ صحت کا صدقہ — مرے شاہ حامد رضا خاں مبارک

حضرت کی کلکتہ بغرض علاج روانگی: حضرت کو کینسر سے نجات تو مل گئی تھی مگر جب تک اس مہلک مرض کے سببِ اصلی سے چھٹکارا نہ ملتا تب تک اس مرض کے عود کرنے کا اندیشہ باقی تھا۔ لہٰذا احباب کے مشورہ سے آپ نے کلکتہ کے ماہرین ڈاکٹر سے علاج کرانے کا ارادہ فرمایا۔ اور بغرض علاج آپ ۱۹۳۰ء اگست کے مہینے میں کلکتہ پہنچ گئے۔ جہاں پر اہلِ عقیدت نے محبت بھرے ماحول میں آپ کا زبردست استقبال کیا۔ آپ کے آنے کی خوشی میں شہر میں بڑے پیمانے پر جلوس نکالے، چند دن آپ نے احباب کے یہاں قیام فرمایا بعدہٗ کارمیکل ہسپتال میں آپ بغرض علاج داخل ہو گئے، جہاں ۲۰/ دن سے زیادہ آپ زیر علاج رہے۔ ڈاکٹروں کے علاج سے آپ کی بیماری کے سببِ اصلی میں کافی حد

تک کمی واقع ہوئی۔ مدیر یادگارِ رضا محترم ابرار صدیقی صاحب سفر کلکتہ سے متعلق لکھتے ہیں:

''حضور پُرنور حضرت حجۃ الاسلام زیب سجادۂ عالیہ رضویہ دامت برکاتہم سرطان کے جس مہلک مرض میں مبتلا تھے **الحمدللّٰہ ثم الحمدللّٰہ** کہ اس حکیم مطلق نے حضرت اقدس مدظلہ کو اس مرض سے نجات بخشی۔ مگر اصل وہ شکایت جو مرض کا اصل سبب تھی باوجود ہر امکانی تدابیر کے اس کا ازالہ نہ ہوسکا۔ جس وجہ سے حضرت اقدس مدظلہ کا مستقبل خطرہ میں تھا۔ بالآخر حضرت اقدس مدظلہ کو اس جانب توجہ دلائی گئی کہ کلکتہ میں بعض ماہرین ڈاکٹر ایسے ہیں جن کے علاج سے اس مرض کے ازالہ کی توقع کی جاتی ہے۔ **الحمدللّٰہ** کہ حضرت اقدس نے ہماری گزارشات پر کلکتہ کا قصد فرمایا۔

کلکتہ میں حضرت اقدس کا ورود سا کنانِ کلکتہ کے لیے ایک نعت عظمیٰ تھا۔ اسٹیشن پر شان دار خیر مقدم ہوا بڑے بڑے جلوس نکالے گئے۔ اور کلکتہ میں چند روز قیام کے بعد کارمیکل ہاسپٹل کلکتہ میں حضرت اقدس کا بحمہٖ عزوجل نہایت احترام کے ساتھ داخلہ ہوا۔ تقریباً بیس یوم سے ہاسپٹل میں قیام ہے۔ علاج نہایت سرگرمی کے ساتھ جاری ہے۔ ہر روز کی ڈاک سے پتا چلتا ہے کہ اب اس اصلی شکایت میں بھی بفضلہٖ عزوجل کمی ہے۔ دعا کی ضرورت ہے کہ اللہ عزوجل حضرت اقدس کے ظل ہمایوں کو ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے۔ آمین۔

ہم جناب مولانا مولوی عبدالعزیز خاں صاحب کی ان خدمات کو جنہیں وہ حضرت اقدس کے زمانۂ قیام کلکتہ میں مخلصانہ طور پر پیش فرمارہے ہیں نہایت احترام کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اور ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔'' (یادگارِ رضا، ۱۳۴۹ھ، ص۴)

کلکتہ میں آپ نے دو مہینے گزار کر اپنے وطن عزیز بریلی شریف مراجعت فرمائی۔ آپ یکم نومبر ۱۹۳۰ء کو شام سات بجے پنجاب میل سے بریلی شریف اسٹیشن پر پہنچے۔ جہاں پر عقیدت مند حضرات پہلے ہی سے پھولوں کے ہار ہاتھ میں لیے منتظر آمد تھے۔ بھیڑ اس قدر تھی کہ اسٹیشن کے باہر تک جگہ باقی نہ تھی۔ لوگوں نے حضرت کی آمد پر بہترین استقبال کیا۔ گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے گئے اور پھر جلوس کی شکل میں نعت ومنقبت پڑھتے ہوئے یہ رضوی قافلہ آپ کے ساتھ آستانہ عالیہ تک آیا۔ بعدۂ لوگوں کی چائے نوشی کا دور چلا۔ مدیر مذکور حضرت کی بریلی تشریف آوری سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت حجۃ الاسلام زیب سجادہ عالیہ رضویہ مدظلہ کا بغرض علاج کلکتہ میں قیام تھا۔ اللہ برتر کا ہزار شکر ہے کہ اس نے حضرت اقدس مدظلہ العالی کو کلکتہ میں مسلسل دو ماہ کے علاج کے بعد صحت تامہ کاملہ عطا فرمائی۔ اور دفعتاً یہ خبر موصول ہوئی کہ حضرت اقدس یکم نومبر کو بریلی مراجعت فرمائیں گے۔ یہ ایسی خوش خبری تھی جس سے مسلمانانِ بریلی کی مسرت وانبساط کی کوئی حد نہ رہی۔ یکم نومبر ۳۰ء کو پنجاب

میل سے مسلمانانِ بریلی نے حضرت اقدس مدظلہ کے استقبال کا انتظام کیا۔

حضرت اقدس نے شب کو سات بجے کے بعد اسٹیشن جنکشن پر نزول اجلال فرمایا۔ مسلمانانِ بریلی کا ایک بہت بڑا جلوس حضرت اقدس کے خیر مقدم کے لیے اسٹیشن پر موجود تھا۔ حضرت اقدس کا مسلمانانِ بریلی نے نہایت شان دار استقبال کیا۔ ہاروں اور پھولوں کی کثرت تھی۔ مجمع اس قدر تھا کہ پلیٹ فارم سے اسٹیشن کے باہر تک جگہ باقی نہ تھی۔ ایک بڑے جلوس کے ساتھ نعت ومنقبت کے حلقہ میں آستانہ عالیہ تک (آپ کو) لایا گیا، آستانہ عالیہ پر پہنچ کر حضار نے چائے نوشی کی۔''

(جمادی الاخریٰ ۱۳۴۹ء، ص۵۔۶)

جماعت مبارکہ کی طرف سے جلسۂ تہنیت: ۱۰؍جمادی الاخریٰ دن کے چار بجے جماعت رضائے مصطفیٰ کے اراکین کی طرف سے ایک تہنیتی جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں حضرت محترم جناب ہدایت یار خاں صاحب قیسؔ نوری کی جانب سے حضرت اقدس کی خدمت میں بہ تقریبِ صحت مزاج درج ذیل عقیدت ومحبت سے بھرا ہوا تہنیت نامہ پیش کیا گیا۔ بعدۂ حاضرین کی بڑے ہی بہتر انداز میں شیرینی چائے نمکین اور پھلوں سے خاطر تواضع کی گئی۔ تہنیت نامہ ملاحظہ فرمائیں:

تہنیت نامہ

بخدمت حضور پُرنور شاہزادۂ والا تبار حجۃ الاسلام شیخ الانام زیب سجادۂ عالیہ قدسیہ رضویہ حضرت مولانا مولوی حاجی قاری مفتی شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب مدظلہ العالی

حضور والا! ہم اس سبوح وقدوس خدائے برتر کے اس احسانِ عظیم کے ذمۂ شکر سے اپنی ساری امکانی کوششوں کے باوجود بھی کسی طرح عہدہ برآ نہیں ہوسکتے کہ آج اس نے ہمیں یہ دن دکھایا کہ ہم حضور والا کی صحت پر اپنے نہ رکنے والے جذباتِ مسرت وانبساط سے مغلوب ومتاثر ہوکر بصد نیاز اور بہ ہزار مسرت وانبساط حضور والا کے رو برو تہنیت نامہ اور مبارک باد کے پھولوں کا مہکتا ہوا گلدستہ پیش کررہے ہیں۔

حضور والا! ان ایام کی یاد ہمیں اس وقت بھی لرزہ براندام کیے دیتی ہے اور ہمارے قلوب میں ایک غیر معمولی لرزش واضطراب پیدا کررہی ہے۔ جب کہ حضور والا سرطان جیسے شدید مرض میں مبتلا تھے۔ شیرانِ طب آپریشنوں اور انجکشنوں کی بھرمار کررہے تھے۔ حضور والا تبار پر مالایطاق مصائب و شدائد کا ہجوم تھا۔ مگر حضور والا کی روحانی طاقتیں بصد صبر وتحمل ان تکالیف کا مقابلہ کررہی تھیں۔ اور ہمیں سب سے زیادہ بے چین کردینے والی اور ہمارے اندر اضطراب وارتعاش کی ایک تازہ روح پھونک دینے والی جو بات تھی وہ یہ تھی کہ حضور والا کو بغرضِ علاج کلکتہ لے جانے پر مجبور کیا گیا۔ جب کہ اس

جمال کی تنویریں کلکتہ کی فضاؤں کو منور کر رہی تھیں۔ اور جب کہ کلکتہ میں زندگی بسر کرنے والی خوش قسمت مخلوق اس جمال کی روح پرور تنویروں سے اکتسابِ نور کر رہی تھیں، عین اس وقت بریلی کی فضا ایک تیرہ و تار چادر میں لپٹی ہوئی نظر آتی تھی۔ اس وقت ہمارا وہی حال تھا جو کہ ایک جاں باز صادق کا اپنے محبوب سے بچھڑنے اور جدا ہو جانے پر ہو جایا کرتا ہے۔ اور اس وقت ہمارے دلوں میں اس آگ کی چنگاریاں شعلہ فشاں کر رہی تھیں، جو آگ ایک حرماں نصیب اور مہجور وصال عاشق کے دل کو جلا جلا کر کباب بنا دیا کرتی ہے۔ حضور والا کی علالت پر یہ اضطراب اور یہ بے چینی کچھ ہم خدام ہی کی ذات تک محدود نہ تھی بلکہ اس کے پریشان کن اثرات ہندوستان کے گوشہ گوشہ اور چپے چپے پر سورج کی روشنی اور چاند کے نور کی طرح پھیل گئے تھے۔ اس لیے کہ اسلامی دُنیا پر حضور والا نے جو احسانات فرمائے ہیں، نہ صرف اسلامی دُنیا کو ان کا اعتراف ہی ہے بلکہ کائناتِ اسلام نے کافی رُشد و ہدایت حاصل کرنے کے بعد حضور والا کو اپنا مرکز اور مستقر تسلیم کر لیا ہے۔ مزاجِ عالی کی صحت اور مرض کا ازالہ اللہ تعالیٰ کا اسلامی دُنیا پر ایک ایسا زبردست احسان ہے جس کے شکریہ سے اسلامی دُنیا کو عہدہ برآ ہونا دشوار ہے۔ آج اگر ایک جانب ہمارا ضمیر ہمیں اس پر مجبور کر رہا ہے کہ ہم حضور والا کی صحت پر اپنے رحیم و کریم مالک و خالق و تبارک و تعالیٰ کے حضور اس کے اظہارِ تشکر و امتنان کے لیے اپنی جبینِ نیاز کو جھکا دیں، تو دوسری جانب ہمارے وہ دلی جذبات جن کے اجزا میں مسرت و انبساط کے اجزا روح بن کر تحلیل ہو گئے ہیں۔ ان کا اقتضا ہے کہ ہم صحت مزاج عالی پر حضور والا پر چاروں طرف سے مبارک باد کے تازہ بتازہ اور خلوص و عقیدت کی خوشبو میں مہکتے ہوئے پھولوں کی کثرت سے نچھاور کریں۔ لہٰذا ہم حضور والا کو مزاجِ عالی کی صحت پر مبارک باد دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ رب کریم حضور والا کے ظلِ ہمایوں کو اسلامی دُنیا پر قائم رکھے۔ اور مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ حضور والا کی ذات ستودہ صفات سے فیوض و برکات کا اکتساب کرتے رہیں۔'' (جمادی الاخریٰ ۱۳۴۹ھ، ص ۶۔۸)

حضرت کے دوبارہ علیل ہونے پر دعاؤں کی درخواست: ہم سابقہ اوراق میں عرض کر چکے ہیں کہ حضرت کلیۃً شفایاب نہیں ہوئے تھے۔ بس کینسر جیسے مہلک مرض سے چھٹکارہ مل گیا تھا۔ مگر شوگر اور پھوڑے کا زخم ابھی تک باقی تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی جسمانی پریشانیاں لاحق تھیں۔ جس کی وجہ سے حضرت کا علاج بدستور جاری تھا۔ ساتھ ہی دعاؤں کا سلسلہ بھی۔ اس بات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت کے اس آپریشن کے آٹھ سال بعد اخبار الفقیہ کے نام جناب محمد اسد صاحب بہیڑوی نے حضرت کی علالت کی خبر سے متعلق ایک مراسلہ ارسال کیا۔ جس میں اہلِ سنت سے حضرت کی صحت و عافیت کے لیے دعا کی درخواست پیش کی گئی ہے۔ مراسلہ ملاحظہ فرمائیں:

''مخدوم و مکرم جناب ایڈیٹر صاحب۔ الفقیہ۔ دام ظلکم

بعد سلام مسنون گزارش یہ ہے کہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا و مرشدنا مولوی قاری حاجی محمد حامد رضا خاں صاحب بریلوی بوجہ زخم دا ہنا عرصہ سے علیل ہیں۔ جملہ قارئین اخبار الفقیہ و جملہ اہلِ سنت سے التجا ہے کہ دعا فرمائیں۔ مولیٰ تعالیٰ جلد از جلد صحت کامل عطا فرمائے۔ اور تا دیر ہمارے سروں پر ایسی بزرگ ہستیوں کا سایہ قائم رکھے۔ آمین۔''

(محمد اسد علی قادری رضوی، قصبہ بہیڑی ضلع بریلی شریف) (الفقیہ، ۷؍نومبر ۱۹۳۸ء)

شہزادۂ حجۃ الاسلام کی جانب سے دعا کی درخواست: حضرت آخر وقت تک مختلف امراض میں مبتلا رہے۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ۱۳۴۹ھ سے وصال کے سن ۱۳۶۲ھ تک حضرت کا دور موت و حیات کی کشمکش کا دور رہا ہے۔

حضور حجۃ الاسلام کے چھوٹے صاحب زادے حضرت حماد رضا خاں نعمانی نور اللہ مرقدہ اپنے والد گرامی کے وصال سے چند روز قبل والد گرامی کی صحت کے لیے اہلِ سنت سے دعا کی اپیل کرتے ہوئے الفقیہ کے نام اپنے ایک مراسلہ میں لکھتے ہیں:

''حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب بریلوی مدظلہ العالی بعد عرس اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے سخت علیل ہیں۔ علالت روز بروز خطرناک صورت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ ارباب آستانہ علاج و معالجہ میں ہر ممکن ذرائع اختیار کر رہے ہیں۔ مگر مرض پر اس وقت قابو نہیں بلکہ سخت صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ میں مسلمانانِ اہلِ سنت کو دعا کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور اس امر کی اپیل کرتا ہوں کہ جملہ مسلمانانِ اہلِ سنت عموماً اور رضوی حضرات خصوصاً ہر نماز کے بعد حضرت اقدس کی صحت کے لیے سچے دل سے دعا فرمائیں۔

المعلن: حماد رضا خاں نعمانی فرزند حضرت حجۃ الاسلام آستانہ عالیہ رضویہ محلّہ سوداگران بریلی۔

(۲۱، ۲۸؍مئی ۱۹۴۳ء، ص ۱۱)

سفر آخرت: بیماری کے اس تسلسل نے آخر وقت تک حضرت کا ساتھ نہ چھوڑا۔ بالآخر بیماریوں کے سبب ۱۷؍جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ ۲۳؍مئی ۱۹۴۳ء بروز اتوار رات گیارہ بجے شب کو آپ نے جانِ جانِ آفریں کے سپرد فرما دی۔ آپ کی رحلت کی خبر وحشت اثر بڑی سرعت سے اسلامی دُنیا میں پھیل گئی۔ اور اہلِ سنت اس حادثہ جانکاہ سے بے چین و مضطرب ہو گئے۔ اور پھر ہر چہار جانب سے محلّہ سوداگران میں عقیدت مندوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ یہاں تک (کہ) سوداگران میں قدم رکھنے کی جگہ باقی نہ

رہی۔اسی لیے دوسرے روز دوشنبہ مبارکہ کو بعد نماز مغرب اسلامیہ اسکول کے وسیع میدان میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔تقریباً پچیس ہزار لوگ نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔بعد ازاں جلوس کے ساتھ جنازہ کتب خانہ ہوتا ہوا دس بجے آستانہ عالیہ پہنچا اس کے بعد معتقدین ومحبین کو حضرت کے چہرۂ پرانوار کی آخری زیارت قریب ڈھائی گھنٹہ تک کرائی جاتی رہی۔اس کے بعد ساڑھے بارہ بجے حضرت کے والد گرامی حضور اعلیٰ حضرت کے احاطۂ مزار کے دائیں جانب حضرت کی تدفین عمل میں آئی۔تیسرے روز بدھ کے دن تیجہ کی فاتحہ کا اہتمام کیا گیا۔تیجہ میں لوگوں کا اس قدر اژدھام تھا کہ آستانہ عالیہ،مسجد خانقاہ اور جماعت رضائے مصطفیٰ کا دفتر بھی ناکافی رہا۔جس کے سبب شہر کی دیگر مساجد میں بھی قرآن خوانی وغیرہ کا اہتمام کیا گیا۔اور اندازہ کے مطابق اوراد و وظائف سے قطع نظر قریب ایک ہزار قرآن پاک کے ختم ہوئے۔وصال سے لے کر تیجہ تک کی اجمالی روداد بعنوان **موتُ العالِم موتُ العالَم** حضرت کے دونوں صاحب زادگان حضرت جیلانی میاں اور نعمانی میاں کی طرف سے بذریعہ خط الفقیہ میں بغرضِ اشاعت روانہ کی گئی،ہم ذیل میں وہ روداد نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو:

موتُ العالِم موتُ العالَم

''حضرت اقدس حجۃ الاسلام جناب مولانا مولوی حاجی قاری شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب قبلہ صاحب سجادۂ عالیہ رضویہ قدس سرہ العزیز کی علالت ربیع الاول شریف ۱۳۶۰ھ کی تاریخوں سے شروع ہوئی اور اس کے باوجود علاج کی ہر ممکن صورت اختیار کی گئی۔مگر مرض شدت کے ساتھ بڑھتا رہا اور علالت ترقی کی صورت اختیار کرتی گئی۔بالآخر ۱۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳ر مئی ۱۹۴۳ء بروز یکشنبہ شب کے گیارہ بجے وہ وقت آ گیا جب کہ عشاقِ الٰہی ہجر وفراق کی کشمکش سے نجات حاصل کر کے محبوبِ حقیقی کے بادۂ وصل سے سرشار ہو کر ابدی حقیقی حیات اور دائمی زندگی حاصل کیا کرتے ہیں۔چنان چہ حضرت نے عین اس حالت میں جب کہ نماز کے لیے ہاتھ بندھے ہوئے تھے وصال فرمایا۔**انا للّٰہ وانا الیہ راجعون**، حضرت قدس سرہ العزیز کے وصال کی خبر ایک ساعت میں تمام شہر میں پھیل گئی۔اور دوشنبہ کی صبح کو جب کہ آفتاب اپنی نورانی کرنیں کائناتِ ارضی پر ڈال رہا تھا بریلی کی فضاؤں پر غم والم کی بھیانک گھٹا چھائی ہوئی تھی۔اور بریلی کا گوشہ گوشہ اس عالم ربانی کے غم میں خون کے آنسو بہا رہا تھا۔چوں کہ سوداگران محلّہ میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی؛ اس قدر کثیر مجمع کے ساتھ نماز جنازہ ہوسکتی اس لیے قریب کی سب سے بڑی مسجد،مسجد نومحلّہ کے قریب اسلامیہ ہائی اسکول کے عریض میدان میں لے جایا گیا۔مسجد نومحلّہ میں مغرب کی نماز ہوئی۔اور نماز مغرب کے بعد اسلامیہ ہائی اسکول کے میدان میں نماز جنازہ پڑھی گئی۔جس میں تقریباً پچیس ہزار مسلمان شریک تھے۔جنازہ ایک بہت بڑے جلوس

کے ساتھ کتب خانہ کے نیچے سے بازار سے گزرتا ہوا شب کو دس بجے محلّہ سوداگران خانقاہ عالیہ رضویہ میں پہنچا۔مقامی وبیرونی مسلمان اس شمع رضوی پر پروانوں کی طرح ٹوٹ رہے تھے اور زیارت کے لیے مچل رہے تھے اس لیے مزار اطہر میں اُتارنے کے بعد زیارت کا موقع دیا گیا۔اور زیارت کا سلسلہ تقریباً ڈھائی گھنٹہ رہا اور شب کو ساڑھے بارہ بجے جسم اطہر کو مواجہ اعلیٰ حضرت میں سپرد خاک کر دیا گیا۔تیسرے دن چہارشنبہ کو فاتحہ سوم ہوئی۔جس میں بکثرت کلام پاک کا ختم ہوا۔زائرین ومتوسلین کا اس درجہ ہجوم تھا کہ آستانہ عالیہ رضویہ مسجد وخانقاہ شریف اور جماعت رضائے مصطفیٰ کا دفتر ناکافی ثابت ہو رہا تھا۔اسی تاریخ اور اسی وقت شہر کے دوسرے محلوں میں بھی فاتحہ سوم ہوئی۔اور بکثرت کلام پاک کے ختم ہونے کی اطلاعات موصول ہو رہی ہیں۔کہ اس وقت تک ایک ہزار تک ختم قرآن پاک کا اندازہ کیا جاتا ہے۔اس میں شبہہ نہیں کہ اس امام اہلِ سنت کے سایہ ہی ہمارے سروں سے اُٹھ جانا یقیناً ایک زبردست روحانی تکلیف کا باعث ہے۔لیکن ہم سب کو دعا کرنا چاہیے کہ مولیٰ تعالیٰ ہمیں صبر کی توفیق عطا فرمائے۔اور حضرت اقدس کے سلسلہ کو تا قیامت جاری رکھے۔(آمین) حضرت اقدس کے عرس چہلم کی تیاریاں ابھی سے ہو رہی ہیں۔اس مبارک عرس میں متوسلین اور ملک کے علما ومشائخ کا زبردست اجتماع ہوگا۔جس میں حضرت اقدس سے بیعت وارادت کا تعلق رکھنے والے اصحاب خصوصاً حضرت اقدس کے خلفا کی شرکت لازمی ہے۔عرس چہلم کی تاریخ سے ان شاء اللہ تعالیٰ مطلع کیا جائے گا۔

خادمان: ابراہیم رضا جیلانی،حماد رضا نعمانی،آستانہ عالیہ رضویہ محلّہ سوداگران بریلی۔''

(۱۴،۷ر جون ۱۹۴۳ء،ص۲۔۳)

مندرجہ بالا خط پر تاثراتی نوٹ کی شکل میں حضور حجۃ الاسلام کی رحلت موجب رنج وکلفت پر رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اخبار الفقیہ کے مدیر محترم معراج الدین صاحب رقم طراز ہیں:

''ہم نے مندرجہ بالا خط کو جس رنج سے درج اخبار کیا ہے اور اس سے جس قدر صدمہ ہمارے دل کو ہوا ہے اس کا اظہار بذریعہ تحریر ناممکن ہے۔**موتُ العالِم موتُ العالَم** ایک سچا مقولہ ہے۔ایسے علما کا دُنیا سے اُٹھ جانا درحقیقت دُنیا کی موت ہے۔اس پرفتن زمانے میں جب کہ فرقہ ہائے ضالہ دین اسلام کو خراب کرنے کے لیے بڑی جدوجہد سے کام لے رہے ہیں ایسے لوگوں کا ہم میں سے اُٹھ جانا ایک ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے والا ہے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے فرزندان کو ان کا صحیح جانشین بنا دے۔اور ان کو توفیق دے کہ وہ ان کے نقش قدم پر چل کر اور حمایتِ دینِ متین میں سرگرم ثابت ہوں۔اللہ تعالیٰ مرحوم ومغفور کو اپنے جوار رحمت میں اعلیٰ مدارج عطا فرمائے۔اور پس ماندگان اور متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق دے۔(آمین)

ابوالریاض معراج الدین عفی عنہ۔'' (۷،۱۴؍جون ۱۹۴۳ء،ص ۳)

حضرت قدس سرہٗ کے وصال پر منظوم خراج: حضرت کی رحلت پر نظام آباد دکن کے ایک شاعر محمد خواجہ معین الدین عارف صاحب نے درج ذیل کلام تحریر فرمایا، اخبار الفقیہ میں شائع ہوا ہم یہاں اسے نقل کیے دیتے ہیں تا کہ قارئین محظوظ ہوسکیں:

الوداع اے حجۃ الاسلام معراج کمال / الوداع اے حجۃ الاسلام سرتاج کمال
الوداع اے محسن اسلام وایماں کے کمال / الوداع اے فخر دین احمد اے لازوال
الوداع اے عالم و علامہ اسلام و دین / الوداع اے رہبرا ے شیر اسلام امین
دُشمن دین نبی پر تو گرجتا شیر تھا / قطع اعدا پہ تیرا خامۂ شمشیر تھا
تو نے منھ توڑا تھا آکر دُشمن توحید کا / بول بالا کر دیا اس گلشن توحید کا
ہستی انمول گوہر تھی تری تجدید کو / اور درخشاں کر دیا تھا شمع توحید کو
رافضی وقادیانی خارجی کے سر کٹے / تیرے سیف خامہ سے ظالم تھے جتنے مرمٹے
المسیح الکذب میں جو اعلیٰ حضرت نے کہا / کیسی ہے توصیف تیری کسے تیرا گل کھلا
لکھ کے تو ''الصارم الربانی'' واصد مرحبا / قادیانی کے دہن میں سخت پتھر رکھ دیا
حیف جب کہ اُٹھ رہا تھا مشرقی غدار دیں / لی نہ تو اس کی خبر اور ہوگیا جنت نشیں
موت کیا تیری ہوئی یہ موت عالم کی ہوئی / یہ مصداق سخن موت العالم موت العالم بن گئی
دیوبندی اور وہابی خارجی ناشاد تھے / یہ لٹیرے دین کے یوں خانماں برباد تھے
جانشین اعلیٰ حضرت تھا یہاں نعم البدل / موت نے بے وقت کی ہم پر کیا کیا عدل
تھانوی نانوتوی چکڑالوی حیران تھے / قادیانی اور وہابی بھی یہاں ویران تھے
لوٹنے آئے تھے دین ان سے ہوا سینہ سپر / گلشن توحید سے ان کو نکالا شیر نر
سیف خامہ سے اُڑایا دُشمنوں کی دھجیاں / چشمہ اسلام کو تو نے کیا بحر رواں
آگ برسائی تھی تو نے ہاں فریبی دام پر / حجۃ الاسلام ہے احساں ترا اسلام پر
کیا قیامت کی مصیبت ہے دلوں پر آج کل / حجۃ الاسلام ہے تیرا نہیں نعم البدل
خون کے سیلاب چشم نم سے بہتے ہیں مرے / واصل رحمت ہوئے اور چشم عالم کے پرے
یہ مصیبت قوم کی آنکھیں بھلا سکتی نہیں / حیف کہ تجھ سے ہمیں پھر سے ملا سکتی نہیں
موت نے بے وقت کی تجھ کو کیا ہم سے جدا / کیا کریں جز صبر ہم اور چشم سے گوہر بہا

ہے دعا شہزادے جو کہ ہوں مسند نشیں / ہوں ترے نعم البدل وہ اور رہیں حامی دیں
قوم کی ہے یہ دعا عارف ہوں وہ جنت نشیں
سایۂ احمد ملے ان کو ملے خلد بریں

(آمین) (۲۱،۲۸؍جولائی ۱۹۴۳ء،ص ۹)

جلسہائے ایصال ثواب: حضرت کی رحلت کی خبر وحشت اثر جہاں جہاں پہنچی لوگوں نے ایصالِ ثواب کا اہتمام شروع کر دیا۔ ہر طرف حضرت کی روح پُرفتوح کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی، فاتحہ خوانی اور اوراد وظائف پڑھنے پڑھانے کا اہتمام ہونے لگا۔ اس سلسلے میں چند مقامات کی خبریں جو ہمیں دستیاب ہوئیں ہم یہاں سپرد قرطاس کرتے ہیں:

جلسہ ایصالِ ثواب دھوراجی: دھوراجی میں مفتی عبدالعزیز خاں صاحب کی صدارت میں حضور حجۃ الاسلام قدس سرہٗ کی روح پُرفتوح کے ایصالِ ثواب کی غرض سے جلسہ کا انعقاد کیا گیا۔ مدرسہ مسکینیہ کے اساتذہ، طلبا، اراکین مدرسہ اور شہر کے دیگر افراد نے شرکت کی۔ ایک گھنٹہ تک قرآن خوانی ہوئی بعدہٗ حضرت قدس سرہٗ کے فضائل وکمالات بیان کیے گئے۔ آخر میں فاتحہ ودعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

اخبار الفقیہ میں مدرسہ مسکینیہ کے مدرس مولانا احمد میاں صاحب کی طرف سے جلسہ مذکورہ کی مختصر سی روداد شائع کی گئی ملاحظہ ہو:

''زیب مسند رضویہ سید العلماء قدوۃ الفضلاء حضرت حجۃ الاسلام مولانا مولوی حامد رضا خاں صاحب کی خبر ارتحال پر ملال سن کر دھوراجی میں زیر صدارت حضرت مولانا مولوی مفتی عبدالعزیز خاں صاحب جلسۂ ایصال ثواب منجانب اراکین مدرسہ مسکینیہ میں منعقد کیا گیا۔ جلسہ مدرسہ مسکینیہ میں منعقد ہوا۔ جس میں تمام طلبا واراکین ومدرسین مدرسہ مسکینیہ واحباب اہلِ سنت نے شرکت کی۔ صبح ساڑھے دس بجے سے ساڑھے گیارہ بجے تک قرآن خوانی ہوئی۔ پھر راقم الحروف نے آں مرحوم کے فضائل بطور اختصار بیان کیے۔ پھر حضرت مولانا مولوی مفتی عبدالعزیز خاں صاحب نے فاتحہ ودعائے خیر فرمائی۔ تمام احباب اہلِ سنت کے دلوں پر اس خبر وحشت اثر نے نہایت رنج پیدا کیا۔ خداوند کریم آں مرحوم کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ کے قدم بقدم چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

کمترین جہاں احمد میاں مدرس مسکینیہ دھوراجی'' (۷،۱۴، جون ۱۹۴۳ء،ص ۱۰)

شہر فیروز پور میں فاتحہ خوانی: فیروز پور شہر میں انجمن خدام المسلمین فیروز پور شہر کے ناظم محترم ڈاکٹر

حاجی غلام رسول صاحب کی صدارت میں فاتحہ خوانی کی مجلس کا انقعاد کیا گیا۔قریب ۱۳۰/اراکین و ممبران انجمن نے شرکت فرمائی۔حضرت کے وصال پر اظہارِ رنج وغم کیا گیا۔اور ایک قرآن پاک تین پارے زائد اور بارہ ہزار کلمہ شریف پڑھے گئے۔بعدۂ دعا کی گئی اور حضرت کے لیے ایصالِ ثواب کیا گیا۔

انجمن مذکور کے جنرل سیکریٹری جناب محمد عبداللہ خاں صاحب

اس محفل فاتحہ خوانی سے متعلق لکھتے ہیں۔

''واقعہ ۲۹، ۵، ۱۹۴۳ء کو بوقت شب ساڑھے دس بجے سے ۲ بجے تک زیر صدارت حضرت قبلہ ڈاکٹر حاجی غلام رسول صاحب سول سرجن فیروز پور شہر ناظم انجمن ہٰذا جلسہ فاتحہ خوانی منعقد رہا۔جس میں تقریباً ۳۰/اراکین وممبران انجمن حاضر تھے،اور چند اشخاص غیر ممبران بھی شامل تھے۔حضرت قبلہ حجۃ الاسلام مولانا مولوی محمد حامد رضا خاں کے انتقال پر ملال کا اظہار افسوس کیا گیا۔اور ایک قرآن پاک اور تین پارے زائد خواندہ کی طرف سے اور بارہ ہزار کلمہ شریف کا ناخواندہ کی جانب سے مولانا مرحوم کی روح پُر فتوح کو ایصال ثواب کیا گیا۔اور دعا کی گئی کہ خداوند کریم مولانا مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔اوران کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ جملہ مسلمانانِ اہلِ سنت والجماعت کو ان کا نعم البدل بخشے۔''

محمد عبداللہ خاں جنرل سیکریٹری انجمن خدام المسلمین فیروز پور شہر(۷، ۱۴، جون ۱۹۴۳ء ص ۱۰)

ڈیرہ غازی خاں پنجاب میں جلسہ ایصال ثواب: حضرت قدس سرہٗ کی روح پر فتوح کے ایصالِ ثواب کی غرض سے ڈیرہ غازی خاں پنجاب کی جامع مسجد میں جلسہ منعقد کیا گیا۔جس میں کثیر تعداد میں حفاظ حضرات نے شرکت فرمائیں۔بہت سے ختم قرآن ہوئے۔محترم مولانا غلام جہانیاں صاحب نے فاتحہ اور دعا کرائی۔اس جلسہ کی روداد مختصر لفظوں میں جناب حافظ محمد حبیب اللہ صاحب یوں تحریر کرتے ہیں:

''چراغ مسجد رضویہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب کے فردوس نشین ہونے کی خبر پڑھ کر جامع مسجد شریف ڈیرہ غازی خاں میں جلسہ ایصالِ ثواب منعقد کیا گیا۔حضرت مولانا غلام جہانیاں صاحب مدظلہ العالی نے فاتحہ ودعاے خیر فرمائی۔حفاظ القرآن المجید کی کثیر جماعت شریک جلسہ تھی۔بہت ختم قرآن موصول ہوئے۔ایصالِ ثواب روح پر فتوح حضرت مرحوم کیا گیا۔

نیاز مند احقر حافظ محمد حبیب اللہ، تاجر کتب ڈیرہ غازی خاں عفی عنہ۔''

(۲۱، ۲۸/جون ۱۹۴۳ء، ص ۱۰)

خانقاہ رضویہ بریلی میں عرس چہلم: ۲۹/جمادی الآخر ۱۳۶۲ھ مطابق ۴/جولائی ۱۹۴۳ء بروز اتوار آستانہ عالیہ رضویہ میں حضرت قدس سرہٗ کا عرس چہلم بڑے ہی اہتمام سے منایا گیا۔مشاہیر علما ومشائخ نے شرکت فرمائی۔قرآن خوانی اور منقبت خوانی ہوئی۔اور اس موقع پر علماے کرام کی موجودگی میں حضور مفتی اعظم کو حضور اعلیٰ حضرت کا جانشین اور شہزادۂ اکبر حجۃ الاسلام حضرت علامہ ابراہیم رضا خاں صاحب کو حضرت حجۃ الاسلام کا جانشین قرار دیا گیا۔مزید منظر اسلام کی سرپرستی حضور مفتی اعظم کو سونپ دی گئی۔

اخبار الفقیہ میں عرس چہلم کی مختصر درج ذیل روداد شائع کی گئی، ملاحظہ فرمائیں:

''۴/جولائی ۱۹۴۳ء مطابق ۲۹/جمادی الآخر ۱۳۶۲ھ یوم یکشنبہ کو آفتاب شریعت وطریقت حجۃ الاسلام حضرت مولانا الحاج مولوی مفتی قاری شاہ حامد رضا خاں صاحب قادری رضوی علامۂ بریلوی قدس سرہٗ کا عرس چہلم شریف خانقاہ عالیہ رضویہ بریلی محلّہ سوداگران میں نہایت اہتمام واحترام سے عمل میں آیا۔نام ور علماے کرام ومشائخ عظام نے شرکت فرمائی۔عرس چہلم کے اس شان دار اور مبارک اجتماع اور اپنی نمایاں خصوصیات سے واحد جلسہ میں قرآن خوانی ومنقبت خوانی کے ساتھ اعلیٰ حضرت قبلہ امام اہلِ سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سجادہ نشین حضرت مفتی اعظم جناب مولانا مولوی شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں صاحب قادری مدظلہم کو قرار دیا گیا۔اور حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہ کا سجادہ نشین آپ کے فرزند اکبر حضرت جناب مولانا ابراہیم رضا خاں صاحب قادری عرفی جیلانی میاں صاحب کو بنایا گیا۔اور طے پایا کہ مدرسہ منظر الاسلام (جامعہ رضویہ) حضرت مفتی اعظم صاحب قبلہ کی سرپرستی میں رہے گا۔مجھے ان مستحسن تجویزوں سے نہایت مسرت ہوئی، جن سے اُمید کی جاتی ہے کہ مستقبل تاب ناک وشان دار ثابت ہوگا۔میں نہایت ادب سے دونوں اکابر کرام کو مبارک باد دیتا ہوں۔اور خادمانِ عرس چہلم کو بھی مبارک باد دیتا ہوں کہ انہوں نے اپنی خدمات قابلِ تحسین طریقہ سے انجام دیں۔آخر میں میری دعا ہے کہ اہلِ سنت وجماعت کا یہ واحد مرکز اپنی برکات گوناگوں میں ترقیات متکاثرہ حاصل کر کے متوقع طور پر فیض بار ثابت ہو۔اور چمنستانِ فضل وکمالِ رضویہ ہمیشہ تازہ بہار رہے۔آمین۔''(الفقیہ، جولائی ۱۹۴۳ء)

دھوراجی ضلع کاٹھیاواڑ میں جلسۂ چہلم شریف: مفتی عبدالعزیز خاں صاحب دھوراجی کاٹھیاواڑ کو بریلی شریف خانقاہ رضویہ سے چہلم شریف میں شرکت کی دعوت بذریعہ تار دی گئی۔مگر وہ اور دیگر احباب بریلی پہنچنے سے قاصر رہے۔اس لیے انہوں نے اپنے ہی شہر کی مسجد ناگاہ شاہ میں ۳۰/جمادی الاخریٰ ۱۳۶۲ھ مطابق ۴/جولائی ۱۹۴۳ء اتوار صبح نو بجے چہلم شریف کے جلسہ کا اہتمام کیا۔جس

میں مدرسہ مسکینیہ کے اساتذہ، اراکین اور طلبا کے ساتھ شہر کی اکثریت نے شرکت کی۔ مدرسہ مسکینیہ کے صدر مدرس مفتی عبدالعزیز خاں صاحب نے حضور حجۃ الاسلام کے فضائل وکمالات پر مشتمل خطاب فرمایا۔ بعدہٗ فاتحہ خوانی ہوئی اور حضرت کی روح پرفتوح کے لیے ایصالِ ثواب کیا گیا۔ شیرینی تقسیم کی گئی مدرسہ کے طلبا اور شہر کے فقرا کو کھانا کھلایا گیا۔ اس سارے اہتمام میں تمام احبابِ اہلِ سنت نے حصہ لیا۔ اس اجلاس کی مختصر کیفیت کو مولانا احمد میاں مدرس مدرسہ مسکینیہ نے درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

''بریلی شریف سے حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے چہلم شریف کی اطلاح بنام حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز خاں صاحب آئی۔ جس میں تمام احبابِ اہلِ سنت کو دعوتِ شرکت دی گئی تھی۔ چوں کہ یہاں سے تمام احباب کی شرکت وحاضری بریلی شریف دُشوار تھی۔ لہٰذا بہ مشورۂ احبابِ اہلِ سنت جلسۂ چہلم شریف دھوراجی میں منعقد کیا گیا۔ تاکہ غرض ایصالِ ثواب حاصل ہو جائے۔ اور آنجنابِ والا کی روح پرفتوح سے استفاضہ بھی ہو جائے۔

بتاریخ ۳۰؍ماہ جمادی الاخریٰ ۱۳۶۲ھ مطابق ۴؍جولائی ۱۹۴۳ء بروز یکشنبہ بوقت صبح نو بجے سے جلسۂ چہلم شریف رکھا گیا۔ جلسہ میں شہر کے اکثر لوگوں نے شرکت کی۔ مسجد ناگاہ شاہ آدمیوں سے پر ہوگئی، مدرسہ مسکینیہ کے طلبا و مدرسین واراکین واحبابِ اہلِ سنت نے اس جلسہ کو کامیاب کرنے کے لیے خصوصی حصہ لیا۔ آخر میں حضرت مولانا مولوی مفتی صدرالمدرسین عبد العزیز خاں صاحب نے نہایت جامع تقریر فرمائی۔ جس میں اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحضرت مولانا شاہ حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل وکمالات مع تردید فرق ہائے باطلہ نہایت دل چسپ انداز میں بیان فرمائے۔ جس سے مجمع نہایت محظوظ ہوا۔ بعدہٗ فاتحہ خوانی ہوئی اور تمام حضار مجلس کو شیرینی تقسیم کی گئی۔ اس کے بعد طعام فقرا مساکین وطلبائے مدرسہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ تقریباً ایک سو آدمیوں کا کھانا تیار کیا گیا تھا۔ اس جلسہ وطعام کے اخراجات میں تمام احبابِ اہلِ سنت نے شرکت فرمائی۔ مولا عزوجل اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم (کے صدقے) قبول فرمائے۔ اور حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین یارب العلمین۔

فقیر حقیر احمد میاں غفرلہ ولابویہ ولاحبابہ الرحمان، مدرس مدرسہ مسکینیہ دھوراجی کاٹھیاواڑ۔''

(۲۱، ۲۸؍جولائی ۱۹۴۳ء، ص ۱۱)

مہروجپور کھاریاں گجرات میں ایصالِ ثواب کا اہتمام: انجمن ارشادالاسلام چوہدوباڑی

دلہاڑی تحصیل کھاریاں ضلع گجرات کے زیر اہتمام ۱-۲؍شعبان المعظم ۱۳۶۲ھ مطابق ۳-۴؍اگست ۱۹۴۳ء منگل کے دن میں مولوی فضل الدین صاحب ومیاں رحم علی صاحب کی صدارت میں جلسہ ایصالِ ثواب منعقد کیا گیا۔ جس میں حضرت قدس سرہٗ کے حالاتِ حیات بیان کیے گئے۔ قرآن خوانی ہوئی قل شریف پڑھا گیا۔ اور حضرت کی روح پرفتوح کے لیے ایصالِ ثواب کیا گیا۔ انجمن مذکور کے سیکریٹری محترم میاں غلام رسول صاحب لکھتے ہیں:

''بتاریخ ۱-۲؍شعبان المعظم ۱۳۶۲ھ مطابق ۳-۴؍اگست ۱۹۴۳ء بروز منگل بدھ مقام چوہدوباڑی دلہاڑی تحصیل کھاریاں ضلع گجرات میں زیر صدارت مولوی فضل الدین صاحب ومیاں رحم علی صاحب؛ حضرت حجۃ الاسلام مقتدائے انام مولانا الحاج قاری شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس مبارک زیر اہتمام انجمن ارشادالاسلام نہایت تزک واحتشام سے منعقد کیے گئے۔ حضرات علمائے کرام نے سیرت سیدنا رسول عربی صحابۂ کرام شہدائے کربلا سیرتِ غوثیہ فضائلِ عرس اور قبلہ حجۃ الاسلام کی زندگی کے پاکیزہ حالات، بزرگانِ دین سلفِ صالحین کی تعلیمات کرامات اور ارشادات سے حاضرین کے قلوب کو منور فرمایا۔ اور نعت خوانوں نے نعت خوانی کرتے ہوئے مجمع کو متاثر کر کے صحیح العقیدہ اہلِ سنت والجماعت میں ہی شامل رہنے کی ہدایت کی۔ دیگر غیر مذاہب کی تردید بھی کی گئی۔ ختم قرآن مجید اور قل شریف پڑھا کر حضرت قبلہ حجۃ الاسلام اور دیگر بزرگوں کی روح پرفتوح کو ایصالِ ثواب کیا گیا۔ جلسہ ہر دو روز تقریروں اور مجمع کے لحاظ سے نہایت شان دار طریق پر بعد دعاے خیر اختتام پذیر ہوتا رہا۔

المشتہر میاں غلام رسول سیکریٹری انجمن ارشادالاسلام ہٹی دلہاڑی بیگہ مہروج پور تحصیل کھاریاں ضلع گجرات۔'' (۱۴، ۷؍ستمبر ۱۹۴۳ء، ص ۱۱)

پہلا عرسِ حامدی بمقام بریلی: ٹھیک ایک سال کے بعد وصال کی تاریخ میں بریلی شریف میں آپ کے عرس پاک کا اہتمام کیا گیا۔ حضرت قدس سرہٗ کے شہزادۂ اکبر حضرت مفسر اعظم جیلانی میاں کی جانب سے عرس حامدی کی اطلاع پر مشتمل درج ذیل تحریر اخبار الفقیہ میں شائع کی گئی۔ ملاحظہ فرمائیں:

''امام الاولیاء تاج الاتقیاء آفتابِ شریعت وطریقت رئیس العارفین سراج الکاملین شیخ المحدثین راس المفسرین فقیہ اعظم قبلہ عالم شیخ الانام حجۃ الاسلام حضور پُرنور حضرت مولانا مولوی شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب قبلہ قدس اللہ سرہ العزیز کا عرس سراپا قدس، ۱۶، ۱۷؍جمادی الاولیٰ ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۰؍مئی ۱۹۴۴ء بروز چہارشنبہ، پنج شنبہ فیض بخش عام ہوگا۔

فقیر محمد ابراہیم رضا قادری رضوی حامدی گدا آستانہ وخادم سجادہ محلّہ سوداگران بریلی۔''
(۷،۱۴؍مئی ۱۹۴۴ء،ص۱۱)

عرس اعلیٰ حضرت میں حجۃ الاسلام قدس سرہٗ کے قل شریف کا اہتمام: حجۃ الاسلام کے وصال کے ڈیڑھ سال بعد عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر حضرت کے قل شریف کا بھی اہتمام کیا گیا۔ اخبار الفقیہ کی درج ذیل خبر ملاحظہ ہو:

''۲۵؍صفر ۱۳۶۴ھ ۹؍فروری ۱۹۴۵ء جمعہ صبح خاص دن بعد نماز صبح تلاوت قرآن کریم اور اہتمام غسل شریف بھی اس وقت گیارہ بجے دن کے ہوا۔ ساڑھے نو بجے سے جلسہ شروع ہوا۔ تلاوت قرآن کریم کے بعد نعت شریف بعد ازاں مولوی صدیق اکبر شاہ اور پھر مولوی غلام محی الدین مراد آبادی اور اس کے بعد مولوی غلام قادر صاحب اور سرطس رفتار خاں اور ایم ٹی احمد مالا باری، مولوی عبدالحمید صاحب انونوی، عبدالحق صاحب کاٹھیاواری، مولوی اجمل شاہ صاحب سنبھلی کی تقاریر ہوئیں۔ ڈھائی بجے سے منقبت ہائے کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور ٹھیک ۳؍بج کر ۳۸؍منٹ پر قل شریف اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ ہو کر نماز جمعہ پڑھی گئی۔ شام بعد نماز مغرب حلقۂ ذکر شریف، بعد عشا تلاوتِ قرآن پاک، نعت شریف پھر تقریر مولوی صدیق اللہ شاہ صاحب اور شب کو ۱۰؍بج کر ۴۵؍منٹ پر حضرت حجۃ الاسلام قدس اللہ سرہ العزیز کا قل شریف ہوا۔'' (الفقیہ: ۷،۱۴؍مارچ ۱۹۴۵ء، ص۷)

عرس سے متعلق حجۃ الاسلام کی وصیت: حضور حجۃ الاسلام نے اپنے عرس پاک سے متعلق یہ وصیت فرمائی تھی کہ میرا عرس علاحدہ نہ کیا جائے بلکہ عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر ہی کیا جائے۔ اس لیے عرس اعلیٰ حضرت کے عرس میں ''عرس حامدی'' کو بھی شامل کرلیا گیا، حجۃ الاسلام کی اس وصیت میں کیا راز پوشیدہ اور کیا حکمتیں مضمر تھیں مفتی اعظم سے ملاحظہ فرمائیں؛ حضور مفتی اعظم لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت امام اہلِ سنت شیخ الاسلام والمسلمین محی سنن سیدالمرسلین وعلیہ وعلیہم وعلیٰ آلہ وصحبہ الصلاۃ والتسلیم الی یوم الدین قدس سرہ العزیز کا عرس شریف ۲۳،۲۴،۲۵؍صفر مظفر ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۸،۲۹،۳۰؍جنوری ۱۹۴۶ء بروز دوشنبہ سہ شنبہ چہار شنبہ فیض بخش عام ہوگا۔ اور ان ہی تاریخوں میں اعلیٰ حضرت کے فرزند اکبر حضرت حجۃ الاسلام کا عرس بھی حسب وصیت کہ میرا عرس علاحدہ نہ کیا جائے-الخ -اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے عرس شریف ہی میں شامل کر دیا گیا ہے۔ جس کا قل ۲۴؍صفر کو شب کے وقت بعد ہر دو خرقہ پوشی ہوگا۔

وصیت حضرت مرحوم ان کی دور اندیشی اور معاملہ فہمی پر دال ہے۔ یقیناً ایک سال میں دو عرسوں کا کرنا عظیم اخراجات کا بار خود اُٹھانا اور سال میں دو بار مخلصین کو زیر بار اخراجات کرنا اور اس دور

دشوار گزار میں کہ تھوڑی دور سفر نہایت موجب تکلیف ہے۔ دوبار زحمتِ سفر دینا ہرگز مناسب نہیں اور اس کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہوتا کہ یا کوئی عرس بھی پر رونق اور شان دار اجتماع کا حامل نہیں ہوا کرتا، یا ایک ہی شان دار ہوتا دوسرا نا کامیاب۔ اس لیے ۲۴؍صفر حضرت حجۃ الاسلام کے قل کی مخصوص کر دی گئی ہے۔

المکلفین: فقیر محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری برکاتی رضوی، خادم وگدا آستانۂ عالیہ رضویہ محلّہ سوداگران بریلی وفقیر محمد ابراہیم رضا قادری رضوی حامدی خادم آستانۂ عالیہ۔ (الفقیہ، دسمبر ۱۹۴۵ء، ص۱۲)

عرس اعلیٰ حضرت میں عرس حامدی کا اہتمام: حسبِ وصیت حضرت قدس سرہٗ کا عرس پاک عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر مقرر کر دیا گیا۔ اور آپ کے عرس کی تاریخ ۲۴؍صفر مقرر کر دی گئی۔ حضور مفتی اعظم اور مفسر اعظم کی جانب سے ارسال کردہ اخبار الفقیہ میں درج ذیل خبر ملاحظہ ہو:

''بعونہٖ تعالیٰ حضور پُرنور امام اہلِ سنت مجدد دین وملت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا عرس سراپا قدس بتاریخ ۲۳،۲۴،۲۵؍صفر مظفر ۱۳۶۶ھ بروز جمعہ، شنبہ، یکشنبہ مطابق ۱۷،۱۸،۱۹؍جنوری ۱۹۴۷ء آستانۂ عالیہ قدسیہ درگاہ رضویہ میں فیض بخش اہلِ عقیدت ہوگا۔ عرس حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ کی تاریخ ۲۴؍صفر مطابق ۱۸؍جنوری ۱۹۴۷ء یوم شنبہ مقرر ہے۔ جس کا قل اسی تاریخ کو شب کے وقت بعد خرقہ پوشی ہوگا...... آپ کی شرکت حضور پُرنور سیدنا اعلیٰ حضرت وحضرت حجۃ الاسلام کی روحانی مسرت اور ہماری انتہائی خوشی کا باعث ہوگی۔

المکلفان: فقیر محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری خادم سجادہ اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفقیر محمد ابراہیم رضا قادری رضوی حامدی سجادہ نشین حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہ العزیز محلّہ سوداگران بریلی۔'' (الفقیہ، ۷،۱۴؍جنوری ۱۹۴۷ء، ص۹)

تاریخ وصال کے مطابق عرس حامدی کا اہتمام: گزشتہ سطور میں عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر ہی عرس حجۃ الاسلام کیے جانے سے متعلق ہم حضور مفتی اعظم کے حوالے سے حجۃ الاسلام کی وصیت نقل کر چکے ہیں۔ لیکن درج ذیل خبر سے اندازہ ہوتا ہے کہ وصال کے کئی سال بعد تک حضور حجۃ الاسلام کا عرس پاک؛ عرس اعلیٰ حضرت کے علاوہ ان کے وصال کی تاریخ کے موقع پر بھی منایا جاتا رہا ہے۔ جس کا پتا حضور مفتی اعظم اور مفسر اعظم کی اخبار الفقیہ میں شائع شدہ درج ذیل خبر سے چلتا ہے ملاحظہ فرمائیں:

''امام اہلِ سنت شیخ المحدثین راس المفسرین فقیہ اعظم قبلہ عالم شیخ الانام حجۃ الاسلام حضرت مولانا مولوی شاہ حامد رضا خاں صاحب قبلہ علامہ بریلوی قدس سرہ العزیز کا عرس سراپا قدس بتاریخ ۱۶،۱۷؍جمادی الثانی ۱۳۶۶ھ مطابق ۸،۹؍مئی ۱۹۴۷ء بروز پنج شنبہ جمعہ فیض عام ہوگا۔ ہندوستان کے

اکابر مشائخ وعلماے کرام مدعو کیے گئے ہیں۔ جو اپنے مواعظِ حسنہ سے حضار کے قلوب کو ایمانی انوار کی تابشوں سے لبریز فرمائیں گے۔ اس مبارک اور شان دار اجتماع میں ضرور تشریف لاکر اپنی اور داعیانِ عرس کی مسرتوں کو دوبالا کریں۔ اور ’وابتغوا الیه الوسیلة‘ کے تمسک اور برکاتِ عظیم سے دامن مراد بھرلیں۔

المکلفین: فقیر محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری برکاتی رضوی خادم وگدا آستانۂ عالیہ رضویہ وفقیر محمد ابراہیم رضا قادری رضوی حامدی خادم آستانۂ عالیہ رضویہ محلّہ سوداگران بریلی۔‘‘ (۲۱،۲۸/اپریل ۱۹۴۷ء، ص ۷)

آخر میں ہم حضرت قدس سرہٗ کے اسم گرامی میں مضمر تاریخِ وصال جو- زبر بینہ- کی صورت میں محترم عنایت محمد خاں غوری صاحب نے استخراج فرمائی ہے اور اخبار الفقیہ میں اسے شائع کیا گیا، نقل کیے دیتے ہیں۔ محترم غوری صاحب لکھتے ہیں:

’’تاریخ وصال حضرت اقدس حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ کے نام نامی میں مضمر اور یہ کرامت ظاہرہ ہے زبر بینات کے حساب سے:

حامد رضا
۱۳۶۲ھ

ح	ح ا	۹
ا	ال ف	۱۱۱
م	م ی م	۹۰
د	دال	۳۵
ر	را	۲۰۱
ض	ض اد	۸۰۵
ا	ال ف	۱۱۱
		(۱۳۶۲)

مستخرجہ عنایت محمد خاں غوری غفرلہ (الفقیہ، ۷،۱۴/جنوری ۱۹۴۴ء، ص ۱۱)

اللہ پاک کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مولیٰ! حضرت قدس سرہٗ کے مرقد پر ہمیشہ نور افشانی فرمائے اور ہمیں حضرت کے فیوض وبرکات سے مالا مال فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین علیہ الصلاۃ والتسلیم.

☆☆☆

مفتی اعظم اور علوم عقلیہ

مولانا مفتی شبیر حسن رضوی
استاذ الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، فیض آباد

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کا فقہ وفتاویٰ میں کتنا بلند مقام ہے، اربابِ علم ودانش پر مخفی نہیں۔ دُنیا انھیں مفتی اعظم کے نام وتشخص سے جانتی پہچانتی ہے اور جس طرح سے وہ فقہ وفتاویٰ میں مہارتِ کاملہ رکھتے تھے کہ وہ اپنے زمانے میں بے مثل فقیہ ومفتی اعظم تھے۔ فقہی جزئیات ادلہ کے ساتھ نوک زبان رہتی تھیں۔ اسی طرح علم حدیث میں بھی آپ کا پایہ بہت بلند تھا کیوں کہ یہ بات مسلم ہے کہ علم حدیث میں مہارت تامہ فقہ وفتاویٰ پر کامل عبور رکھنے کے بعد حاصل ہوتی ہے اور فقہ وفتاویٰ میں مہارتِ تامہ جملہ علومِ عقلیہ میں دسترس ومہارت سے حاصل ہوتی ہے۔ تو گویا حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان جملہ مروجہ شرعی وعقلی علوم وفنون میں دسترسِ تام ومہارتِ کاملہ رکھتے تھے۔

کسی علم وفن میں دسترس کا ہونا اور بات ہے اور اس سے شغل واشتغال رکھنا دوسری بات ہے۔ امام الکل فی الکل امام احمد رضا قدس سرہٗ جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے امام تھے لیکن جو انھیں علوم نقلیہ، فقہ وفتاویٰ سے شغل واشتغال تھا وہ دیگر علوم سے نہیں تھا۔ پھر بھی بہت سے علوم عقلیہ میں کتابیں ارقام فرمائی ہیں۔ ان کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے رؤسائے فن امام موصوف کے سامنے ہیچ نظر آتے ہیں۔

الولد سر لابیه - مفتی اعظم جملہ علوم وفنون میں دسترس ومہارتِ تامہ وکاملہ رکھتے تھے۔ یہ محض عقیدت ہی نہیں ہے بلکہ حقیقت کا اظہار و بیان ہے۔ فقیر کی نگاہ سے کوئی مستقل کتاب معقولات میں حضرت موصوف کی نہیں گزری لیکن ان کی بعض تصانیف کے مطالعہ سے اذعان ویقین ہوجاتا ہے کہ حضرت موصوف گرامی کو علوم عقلیہ میں دسترسِ تام وقدرتِ عام حاصل تھی۔ حضرت کی تصانیف منیفہ: وقعات السنان، ادخال السنان، الموت الاحمر وغیرہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ حضرت علوم عقلیہ کے امام اور ان کے ماہر کامل تھے۔ ایسے ایسے ایرادات اور ایسی گرفتیں فرمائی ہیں کہ تھانوی صاحب کو بے زبان کردیا ہے۔ ان پر اور ان کے حواریوں پر ایسا جمود وتعطل طاری ہوا کہ آج تک لاجواب رہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ تا قیامت لاجواب رہیں گے۔ اربابِ تحقیق مذکورہ کتب کا مطالعہ کریں تو میرے بیان کی تصدیق ضرور کریں گے۔ ’’الموت الاحمر‘‘ حضرت موصوف گرامی کی کتابِ مستطاب -کفر لزومی والتزامی- کے بیان میں ہے۔ اور کفر لزومی والتزامی وکفر فقہی و

کلامی میں فرق وتفاوت ہے۔صاحبِ تقویۃ الایمان کے کفریات سب کفرلزومی وفقہی ہیں اور صاحبِ براہین قاطعہ وصاحبِ تحذیرالناس وصاحبِ حفظ الایمان وغیرہ کے کفریات التزامی وکلامی ہیں۔ اورلزومی وفقہی پر حضرات فقہاے کرام تکفیر کرتے ہیں اور حضرات متکلمین عظام تکفیرنہیں کرتے اور امام احمد رضا قدس سرہٗ نے صاحبِ تقویۃ الایمان کے کفریات بوجوہ کثیرہ ثابت کرنے کے بعد بھی تکفیر قطعی نہیں فرمائی ہے اور فقہا کے نزدیک کافر بتایا ہے اور صاحبِ براہین قاطعہ وتحذیرالناس وغیرہما کی تکفیر قطعی فرمائی ہے۔

اور امام احمد رضا قدس سرہٗ نے کتابِ لاجواب ومستطاب ''المعتمد المستند'' شریف میں ارشاد فرمایا کہ: نبوت کا محض امکان ذاتی ماننے پر کافر نہ کہیں گے۔ہاں خاتم النبیین دو ہونا محال بالذات ہے یعنی جس کے سبب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل محال بالذات ہے۔اس پر اغیار کو شبہ واعتراض تھا کہ اس مسئلہ پر دیوبندیوں کی کیوں تکفیر کی گئی؟ انھیں دو مسئلوں سے متعلق شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۱۳۳۷ھ میں ''الموت الاحمر'' تصنیف فرمائی جس کا پورا تاریخی نام ''الموت الاحمر علی کل انحس اکفر'' ہے اور تاریخی لقب ''ہشتاد بید و بند بر مکاری دیوبند'' ہے؛ اسی کتاب مستطاب میں علوم عقلیہ میں جولانیت دکھاتے ہوئے اغیار کے شکوک وشبہاتِ واہیہ کا ازہاق وابطال فرمایا ہے۔اور ایسا دقیق کلام فرمایا ہے کہ علوم عقلیہ میں بڑے بڑے شغل واشغال رکھنے والے ماہرین دنگ رہ جاتے ہیں۔صاحبِ تحذیر وتھانوی معنوی کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ تو بدیہی ہے کہ اس تقدیر پر کہ بعد زمانۂ نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام بھی کوئی نبی پیدا ہو، ختم زمانی باطل ہوجائے گا، کہ وہ تو یہی تھا کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں (تحذیرالناس، صفحہ۲) اور جب حضور کے بعد اور نبی پیدا ہو تو سب میں آخری نبی کب رہیں گے۔کہ ان سے آخر اور ہوا۔غرض اس سے ختم زمانی کا انتفا بدیہی اور اس کے انتفا سے نانوتوی صاحب کا ساختہ ختم ذاتی بھی ختم کہ اسے ختم زمانی لازم تھا۔تحذیرالناس، صفحہ۹ رختم نبوت بمعنی معروض کو تاخر زمانی لازم ہے اور لازم کے انتفا سے ملزوم کا انتفا لازم تو نہ ختم زمانی رہا نہ ذاتی بچا۔سب فنا اور خاتمیت بجا اس میں کچھ خلل نہ آیا، یہ کیسا شدید کفر ہے اور کتنی ڈھٹائی کے ساتھ دیوبندی تعصب وعناد کے مارے ہوئے ہیں؟

تھانوی صاحب آپ تو اب طالبِ تحقیق ہیں۔ضرور اس پر غور کریں گے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل ان کے بدگویوں کی حمایت نہ لیں گے۔سادساً یہاں آپ اپنی سمجھ قاصر رہنے پر اللہ کو گواہ کررہے ہیں۔اس شدید قسم کی حاجت نہ تھی۔اکابرِ دیوبند تو اسے سمجھے نہیں۔آپ کیا سمجھتے؟ اب

سمجھئے اور بہ لباسِ باطن نہ سمجھ سکیں تو تھانوی صاحب ظاہری بن کر سمجھئے۔تعددِ امکان، امکانِ تعدد نہیں۔ جیسے اجتماعِ امکانات، امکانِ اجتماع نہیں۔حصولِ فردیت ہر تشخص سے ممکن اور تعدد محال بالذات ممکن کے وجود وعدم دونوں ہر وقت ممکن اور اجتماعِ محال بالذات ہر تضاد میں دونوں ضدیں ہمیشہ ممکن کہ ممکن کبھی محال نہیں ہوسکتا ورنہ انقلاب مواد لازم آئے گا، اور اجتماع محال، جو وقت لیجیے اس میں رات ودن دونوں ممکن اور دونوں ہوں یہ محال ہے۔اس کی نظیر شرعیات میں حل للا زواج ہے۔عورت ہر نامحرم کے لیے حلال اور اجتماع شرعاً محال تو اس امکانِ ذاتی سے امکانِ تعدد خاتم سمجھنا کیسا باطل خیال۔اتنی نافہمی کے بعد اس کی کیا شکایت کہ سب اس عالم سے ایک ہی وقت میں تشریف لے جائیں تو سب خاتم ہوں گے.....ایک بھی نہ ہوگا کہ خاتم کا معنی باقرار تحذیرالناس صفحہ۲ر یہ ہے کہ سب میں آخری نبی، جب دس بیس ایک ساتھ ہوئے تو سب میں آخر ایک بھی نہ ہوا۔اور حضرت موصوف گرامی علیہ الرحمۃ والرضوان تعددِ امکان، امکانِ تعدد پر تخشیہ فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

جس چیز میں تعدد محال ہے اور علی سبیل البدلیت دو یا سو کا احتمال ہے وہاں تعددِ امکان ہوا یعنی متعدد احتمالات ممکن ہیں؛ مگر امکانِ تعدد نا ممکن، کہ مفروض یہ ہے کہ اس شئ میں تعدد محال ہے۔

یہ ہیں چند سطور جو کتابِ مستطاب ''الموت الاحمر'' سے ہدیۂ ناظرین کردی گئی ہیں اور اسی قسم کے مباحثِ جلیلہ پر پوری کتاب مشتمل ہے۔اس عبارت رشیقہ بدیعہ کے دیکھنے کے بعد ہر ذی علم پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجائے گا کہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کو کس قدر علوم عقلیہ میں دسترس وقدرت حاصل تھی۔یہ ایسے مباحثِ دقیقہ ہیں کہ عصرِ حاضر میں ان کی شرح وتفسیر کی ضرورت ہے۔اس فقیر نے اپنے استاذ گرامی حضرت بحرالعلوم جامع علوم عقلیہ ونقلیہ مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ☆ کی خدمتِ بابرکت میں ضلع بستی کے ایک جلسہ میں عرض کی کہ کتابِ مستطاب ''الموت الاحمر'' کی مذکورہ عبارت تعددِ امکان، امکانِ تعدد کو سمجھا دیا جائے اور اس کی تشریح فرمادی جائے تو حضرت استاذِ محترم دام ظلہ العالی نے افہام وتفہیم فرمایا اور فرمایا کہ: ارے بھائی حضرت تو لکھ کر چلے گئے اور اس زمانے میں مذکورہ کتاب کی شرح کی ضرورت ہے۔خدا کرے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کا مخصوص بندہ تیار ہوجائے اور حضرت کی عباراتِ غامضہ کی شرح وتشریح وتفسیر کردے۔آمین۔

اور کیوں نہ ایسا ہوتا کہ ہمارے شیخِ طریقت، شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان جملہ علوم وفنون وجملہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع ہوں۔حضرت بابرکت کی شخصیت ان نفوسِ قدسیہ سے تھی کہ جن نفوسِ قدسیہ کے بارے میں ارشادِ نبوی ہے: ''اذا احب اللّٰہ عبدا علمہ

من غیر تعلم.'' یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا محبوب بنالیتا ہے تو اسے بے پڑھے اور بغیر تعلم کے علم عطا فرما دیتا ہے اور اس کا قلب ایسا متجلی و روشن ہو جاتا ہے کہ اس پر بہ کرم علام الغیوب علوم وفنون عیاں ہوتے چلے جاتے ہیں...... حدیث پاک میں کسی علم کی کوئی تخصیص نہیں فرمائی گئی ہے، خواہ وہ علوم عقلیہ ہوں یا نقلیہ ہوں۔ مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو جملہ علوم خواہ علوم عقلیہ ہوں یا نقلیہ، حاصل تھے اور جملہ علوم وفنون میں دسترسِ تام وقدرتِ عام رکھتے تھے اور ظاہری اعتبار سے انھوں نے ۱۸؍سال کی عمر مبارک میں تقریباً چالیس علوم وفنون حاصل کر کے سندِ فراغت حاصل فرمائی اور فراغت کے بعد جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف ہی میں مسندِ درس وتدریس کو زینت بخشی اور تقریباً تیس سال تک علوم و معارف کے موتی لٹائے اور آپ نے جملہ علوم وفنون اپنے والد ماجد امام الکل فی الکل سیدنا احمد رضا قدس سرہ العزیز اور اپنے برادرِ کبیر حجۃ الاسلام سیدنا شاہ حضرت علامہ محمد حامد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان اور استاذ الاساتذہ حضرت علامہ شاہ رحم الٰہی منگلوری اور شیخ العلماء حضرت علامہ شاہ سید بشیر احمد علی گڑھی اور شمس العلماء علامہ ظہور الحسین فاروقی رام پوری سے حاصل فرمائے۔ حضرت موصوف گرامی کے اساتذۂ کرام کی مذکورہ فہرست سے بھی روشن وعیاں ہے کہ وہ جملہ علوم وفنون کے عالم و ماہر و کامل تھے۔ اور ان کی تصانیفِ منیفہ ان کی مہارتِ کاملہ پر شاہدِ عدل ہیں۔ ☆☆☆

☆ حضرت بحرالعلوم علامہ عبدالمنان اعظمی، سال گزشتہ رحلت فرماگئے۔ مقالہ لکھے جانے کے وقت بقید حیات تھے۔

۲۰۱۵ء میں نوری مشن مالیگاؤں کی مطبوعات

اشاعت نمبر	عنوان	تحریر
۷۲	عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم	مولانا خرم رضا قادری
۷۳	پیکر نور صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری
۷۴	دربارِ چشت	مولانا سید حسین علی چشتی رضوی
۷۵	نماز	خلیل احمد رانا
۷۶	امام احمد رضا پر الزامات تشدد کا تنقیدی جائزہ	مولانا محمد اسلم رضا قادری
۷۷	حضور مفتی اعظم ایک عظیم فقیہ ایک عظیم مجاہد	علامہ قمر الزماں خان اعظمی
۷۸	انگریز کے دوست یا دشمن	غلام مصطفیٰ رضوی
۷۹	فاطمہ رضی اللہ عنہا کا لال میدانِ کربلا میں	علامہ قمر الزماں خان اعظمی
۸۰	مفتی اعظم کا زُہد وتقویٰ	بحر العلوم علامہ عبدالمنان اعظمی
۸۱	حسام الحرمین کے سو سال	ڈاکٹر الطاف حسین سعیدی

مفتی اعظم کا زُہد وتقویٰ

بحرالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ
سابق شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

انسانوں میں پائی جانے والی خوبیوں کی دو بنیادی قسمیں ہیں: (۱) ذاتی (۲) اضافی

آدمی کی اضافی خوبیوں سے ہماری مراد وہ بڑائیاں ہیں جو کسی فرد کو کسی دوسری بڑی چیز سے رشتہ اور علاقہ کی بنیاد پر حاصل ہوں۔ مثلاً - زید - بہت بڑا آدمی ہے اس لیے کہ ایک بہت بڑے آدمی کا لڑکا ہے، - عمر - ایک بہت اونچا انسان ہے اس لیے کہ وہ ایک عالی خاندان کا فرد ہے، - بکر - ایک گریٹ جنٹل مین ہے، اس لیے کہ وہ ایک فینس جگہ کا رہنے والا ہے۔ الغرض! وہ ساری خوبیاں جو خود انسان میں نہ ہوں بلکہ کسی بڑی سوسائٹی کا فرد، یا بڑے مقام کا باشندہ ہونے یا بڑے آدمی کے رشتہ ناطہ کے ذریعہ آدمی کو بڑا بناتی ہوں، وہ ہمارے نزدیک اضافی خوبی ہے۔ ہر چند کہ یہ خوبی انسان کی اصلی خوبی نہیں شمار کی جاتی۔ چناں چہ شعرا نے اس کی مذمت کی، حضرت سعدی فرماتے ہیں ۔

ہنر بنا اگر دارینہ جوہر
گل از خارست و ابراہیم از آزر

''تم میں کوئی خوبی اور کمال ہو تو دکھاؤ، تم اپنے حسب ونسب کی بڑائی نہ شمار کراؤ۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ پھول کانٹوں کے ہجوم میں مسکراتا ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام آذر بت پرست کے گھر میں ہوئے۔''

اور حدیث پاک میں اسی پر تنقید کی گئی:

من ابطأبه عمله لم یسرع به نسبه. (مشکوٰۃ شریف، ص۳۳، کتاب العلم)

جس آدمی کو اس کا عمل سُست کر دے اس کو اس کا خاندان آگے نہیں بڑھا سکتا، بلکہ خود قرآنِ عظیم میں بھی بڑائی اور بزرگی کا معیار نسب کو نہیں قرار دیا گیا۔ بلکہ اصلی اور ذاتی خوبیوں کو ہی کرامت کا معیار قرار دیا گیا۔

ارشاد ربانی ہے: **اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ.** (سورۂ حجرات ۱۳/۴۹)

''ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔''

مگر اضافی خوبی کی یہ ساری تنقید اسی صورت میں ہے کہ آدمی صرف اضافی خوبیوں پر ہی اِترائے، ذاتی خوبیاں اس کے پاس کچھ نہ ہوں۔ ورنہ ذاتی خوبیوں کے ساتھ مل کر یہ اضافی خوبی بھی حسن و زیبائش کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ایک دفعہ صحابہ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا:

من اکرم الناس یارسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بزرگ کون ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فاکرم الناس یوسف نبی اللّٰہ بن نبی اللّٰہ ابن نبی اللّٰہ ابن خلیل اللّٰہ.

(بخاری شریف، حدیث ۳۳۷۴، احادیث کتاب الانبیاء، دار الکتاب العربی، بیروت)

''حضرت یوسف علیہ السلام سب سے بزرگ ہیں کہ خود نبی، ان کے باپ نبی ان کے دادا نبی اور پردادا تو ابراہیم خلیل اللہ۔''

ایک دفعہ خود اپنا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: **ان اللّٰہ اصطفیٰ کنانۃ من ولد اسماعیل واصطفیٰ قریشا من کنانۃ و من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم.**

(مشکوٰۃ المصابیح، ص ۵۱۱، باب فضائل سید المرسلین، الفصل الاول، مجلس البرکات مبارک پور)

''اللہ تعالیٰ نے اولادِ اسماعیل میں سے قبیلہ بنو کنانہ کو منتخب فرمایا، اور بنو کنانہ میں سے قریش کے خاندان کا انتخاب کیا، اور قریش میں بنو ہاشم کو اعزاز بخشا اور ان میں مجھ کو نبی مصطفیٰ اور حبیب رب السما بنایا۔''

یہ دونوں حدیثیں ببانگِ دہل اعلان کر رہی ہیں کہ نسبی فضیلت اور خاندانی وجاہت بھی، باعثِ مدح وستائش اور سببِ فضل وشرف ہے۔

ایک اور حدیث میں تو آپ نے خود اپنی ذات سے نسبی اور سببی علاقہ رکھنے والوں کی ایک غیر معمولی خوبی کا ذکر کیا۔ چناں چہ ارشاد ہے:

کل نسب و سبب یقطع یوم القیامۃ الانسبی و صھری

(کنز العمال، حدیث ۳۱۹۱۵، بیت الافکار الدولیہ، الریاض)

''تمام رشتے اور ناطے قیامت کے دن منقطع ہو جائیں گے میرے رشتے اور ناطے کے علاوہ۔''

اور اسی علاقے پر مباہات کرتے ہوئے حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا ؎

وبنت محمد خدنی و عرسی

مسوط لحمھا بدمی و لحمی

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی میری ہم راز اور میری دُلھن ہے، میرا اور ان کا خون اور گوشت ایک دوسرے سے مخلوط ہو گیا ہے۔

الغرض! انسان کی اضافی خوبی بھی قابلِ لحاظ خوبیوں میں سے ہے، جب کہ وہ ذاتی محاسن سے عاری نہ ہو۔ پھر ذاتی محاسن کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) وہبی (۲) کسبی

وہبی خوبیوں کے دائرے میں وہ محاسن آتے ہیں جن کے حصول میں خود انسان کی اپنی کدوکاوش اور جد وجہد کو اتنا دخل نہیں ہو۔ جیسے رنگ وروغن کی خوش نمائی، قد وقامت کی دل رُبائی، اعضا کی موزونیت اور شخصیت کی دل کشی؛ اور کسبی خوبیوں کی تو ایک لمبی فہرست ہے جنھیں ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، ہر شخص انھیں جانتا پہچانتا ہے۔

اور یہ دونوں خوبیاں فی الحقیقت ایسی ہیں جو انسان کے فضل وشرف کا معیار ہیں اور جن کی بدولت ایک کم حیثیت آدمی بھی اوجِ ثریا تک بلند پروازی کر سکتا ہے۔ بلکہ شہرت کے اعلیٰ مدارج تک پہنچتا ہے۔ اس میں بھی آخر الذکر کو اول الذکر پر غیر معمولی فضیلت حاصل ہے۔

بریلی کے غیر مسلموں کی زبان میں - بڑے مولانا صاحب - اور پورے ہندوستان کے سُنیوں کی زبان پر - مفتی اعظم - (علامہ مفتی محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری برکاتی نوری بریلوی) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی انھیں غیر معمولی انسانوں میں سے ہیں جنھیں قدرت نے اصلی اور اضافی وہبی اور کسبی، سبھی قسم کی غیر معمولی خوبیوں سے بڑی فیاضی کے ساتھ نوازا تھا۔

اضافی خوبیاں:

سب سے پہلے میں آپ کی اضافی خوبیوں کا ایک شمہ بیان کرتا ہوں۔ آپ کے والد ماجد مجدد مائۃ رابع عشر حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان صاحب قدس سرہ العزیز انسانی شکل وصورت میں - آیۃ من آیات اللّٰہ - (اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی) تھے۔ انھوں نے اپنی زبان کی لافانی

تسخیری قوت، اپنی تحریر کا بے مثال زور اور اس کی غیر معمولی تاثیر روح اور اپنے بیکراں علم کا خزانۂ عامرہ استعمال کر کے، بلکہ اپنی ذات کی تمام توانائیاں نچوڑ کر اسلام کے رُخِ زیبا پر جمی ہوئی صدیوں کی گرد صاف کی، جس کے نتیجے میں اسلام کا حسنِ فطرت نئی آب وتاب کے ساتھ دُنیا کے سامنے جلوہ گر ہوا اور اسی وجہ سے اہلِ حق نے آپ کو-مجدد- گردانا اور اہلِ زیغ نے -بدعتی- کہا، یہ اُن کی نگاہوں کا قصور اور طرزِ ادا کی خرابی تھی؛ ورنہ انھوں نے بھی وہی دیکھا جو ساری دُنیا کے حق پرستوں کو نظر آیا اور جسے حدیث مبارک میں بیان کیا گیا:

ان اللّٰہ عزوجل یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا (ابوداؤد، مشکوٰۃ مع مرآۃ، ص۲۱۴) **ان اللّٰہ تعالٰی یبعث علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا.**

''بے شک اللہ تعالیٰ ہر صدی میں ایک مجدد مبعوث فرماتا ہے، جو دین کو نئی آب وتاب دیتا ہے۔''

آپ کے دادا حضرت مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وقت کے امام اور اہلِ دل صوفیوں کے سرخیل تھے۔ صاحبِ تصانیفِ کثیرہ اور حق پرست خوش عقیدہ مسلمانوں کے سالارِ کارواں تھے۔ مولوی رحمان علی صاحب اپنی کتاب ''تذکرہ علماے ہند'' میں فرماتے ہیں:

''ذہن ثاقب ورائے صائب داشت، خداے تعالیٰ وے را بعقل معاد ومعاش ممتاز اقران آفریدہ بود۔ علاوہ شجاعت جبلی بصفت سخاوت وتواضع واستغنا موصوف بود۔ وعمر گراں مایۂ خود باشاعت سنت وازالۂ بدعت بسر برد۔''

''آپ تیز ذہن اور درست رائے رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں معاد ومعاش کی دانش وری میں اپنے زمانہ والوں سے ممتاز بنایا تھا۔ ان میں فطری شجاعت کے ساتھ سخاوت، تواضع اور بے نیازی بھی تھی۔ اپنی پوری عمر سنت کی حمایت اور بدعت کی نکایت میں بسر کی۔''

آپ کے دادا رضا علی خان رحمۃ اللہ علیہ عارف کامل اور خدا رسیدہ بزرگ تھے، سالکان راہِ جذب اور رہ روانِ راہِ سلوک- دونوں ہی آپ کی عظمت وسیادت کے معترف تھے۔ چہرہ دیکھ کر نوشتۂ تقدیر پڑھ لیتے اور حال کے آئینے میں مستقبل کی تصویر دیکھ لیتے۔ مجدد مائۃ رابع عشر حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کو ولادت کے بعد آپ کی گود میں رکھا گیا۔ دیکھ کر خوش ہوئے اور فرمایا: میرا یہ بیٹا بہت بڑا عالمِ دین ہوگا۔

الغرض! جہاں تک آپ کے نسب کا سلسلہ تاریخ کی روشنی میں ہے۔ سلسلہ کا ہر فرد گلِ سرسبد اور ہار کی ہر لڑی -واسطۃ القلادہ- ہے؛ لیکن اوپر پانچویں پشت میں حضرت محمد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو سنگِ

میل کی حیثیت حاصل ہے؛ کیوں کہ انھوں نے بھی دولت وثروت کو لات مار کر زہد وتقویٰ اختیار فرمایا۔ اور ایک حکمران خاندان آپ ہی کی ہمت اور اولوالعزمی سے علم وعرفان کی راہوں پر چل پڑا۔ خود یہ بھی سلطان شاہ محمد خان کے وزیر اور ان کے والد سعادت یار خان وزیرِ مالیات، اور دادا حضرت سعید اللہ خان صاحب ملقب بہ شجاعت جنگ بہادر منصبِ شش ہزاری پر فائز تھے۔ اور یہی وہ بزرگ ہیں جو قندھار سے ہندوستان تشریف لائے۔ جن کی وجہ سے چودھویں صدی میں تجدید واحیاے دین کی دولت ہندوستان کے حصے میں آئی۔

پس آبا واَجداد کی شرافت وکرامت اگر کسی انسان کی عظمت میں چار چاند لگاتی ہو تو حضور مفتی اعظم کو یہ حق پہنچتا ہے کہ کہیں ؎

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم

اذا جمعتنا یا جریر المجامع

''یہ ہمارے آبائے کرام ہیں۔ اے جریر اگر قوموں کی بھیڑ میں تمھیں کوئی ان کا مثل مل سکے تو لاؤ۔''

وہبی خوبیاں:

اس عنوان کے تحت میں سخت اُلجھن میں ہوں کہ قارئین پر اپنا مافی الضمیر کس طرح ظاہر کروں۔ کیوں کہ قامت کی دل کشی، ناک نقشہ اور چہرہ مہرہ کی دل رُبائی، رنگ وروغن کے حسن، اعضا کی موزونیت، عادات واطوار کی لطافت اور شخصیت کی دل آویزی کے بارے میں، اگر کسی جوان العمر انسان کا ذکر کیا جائے تو بات قرینِ قیاس ہے۔ لیکن یہاں ایک ایسے شخص کا ذکر ہے جو عمر کی اسّی منزلیں طے کر چکا تھا۔ سارے بال سفید ہو گئے تھے۔ قامت کا وہ تناؤ جو جوانی کے ساتھ مخصوص ہے ختم ہو چکا تھا اور جسم کی کھال کہیں کہیں سکڑی معلوم ہوتی تھی، ان سب کے باوجود حال یہ تھا کہ جس راستے سے گزر جائیں، دیکھنے والوں کی بھیڑ لگ جائے۔ جس محفل میں بیٹھ جائیں، لوگ ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہ جائیں۔ جس سے مصافحہ کر لیں وہ اسے اپنی سعادت تصور کرے۔

یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب آپ بیمار چل رہے تھے۔ ضعف ونقاہت کی وجہ سے آپ نے باہر کا سفر اور گھر کا دربارِ عام دونوں ہی موقوف کر دیا تھا اور تھوڑی دیر کا بیٹھنا بھی آپ پر بار تھا۔ عرسِ رضوی کے موقع پر لوگ بڑی جدوجہد کے ساتھ حضرت کو سہارا دے کر تھوڑی دیر کے لیے مجلسِ قل میں لائے۔ اختتامِ قل کے بعد مصافحہ کے لیے جو انسانوں کا ریلا چلا ہے تو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ بڑی مشکل

سے لائن بنائی گئی۔ مگر جو آتا مصافحہ کے بعد دست بوسی اور دست بوسی کے بعد قدم بوسی، پھر قدم بوسی کے لیے جھکنے والے پر آپ کی ناگواری، اس کو ہاتھ سے روکنا اور **استغفر اللّٰہ استغفر اللّٰہ** پڑھنا۔ الغرض! جو آتا ٹالنا نہیں چاہتا تھا۔ اور آپ کے قرب کی دولت کو نعمتِ ابدی تصور کرتا۔ لوگ اس درجہ خودغرض ہوگئے تھے کہ اُنھیں حضرت کی کم زوری اور تکلیف کا بھی مطلق خیال نہ رہ گیا تھا۔

میں نے حضرت کی غیر معمولی تکلیف کا خیال کر کے لوگوں کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر زبردستی حضرت کے سامنے سے ہٹانا شروع کیا۔ آپ نے دو ایک دفعہ ہاتھ میری طرف اُٹھایا۔ مگر میں نے مطلب نہیں سمجھا؛ تو مولانا رحمانی میاں صاحب نے فرمایا: سختی سے لوگوں کو نہ ہٹایے، وہ بھی اپنے جذبۂ شوق سے مجبور ہیں۔ میں نے دل میں سوچا سبحان اللہ یہ لوگ حصولِ برکت کی دُھن میں اندھے ہوگئے ہیں اور اپنے اظہارِ شوق سے حضرت کو غیر معمولی تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ یہ لوگ تو مارنے کے لائق ہیں۔ اور خود حضرت کا یہ حال ہے کہ ان کی دل شکنی نہ ہو اور ع

انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

پھر دل ان کے اتباعِ سنت کے وقار سے معمور ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کا بھی یہی بیان ہے کہ خود تکلیف اُٹھا لیتے ہیں لیکن دوسروں کی دل شکنی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ایک صاحب آپ بیتی بیان فرماتے ہیں:

ما رایت معلما قبله ولا بعده احسن معلما منه فواللّٰه ما کهرنی ولا ضربنی ولا شتمنی قال: ان هٰذه الصلاة لایصلح فیها شئی من کلام الناس انما هو التسبیح والتکبیر وقراءة القرآن.

(مسلم شریف، حدیث ۱۱۹۹، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، دار الکتاب العربی، بیروت)

''ایک انجان اعرابی نے مسجد نبوی میں پیشاب کر ڈالا، آپ نے نہ انھیں مارا نہ جھڑکا، نہ مسجد صاف کرنے کا انھیں حکم دیا، بلکہ نرمی سے انھیں سمجھایا، فرمایا: مسجدیں اس کام کے لیے نہیں اور صفائی کا دوسرے کو حکم دیا۔

یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا؛ گزارش یہ کرنی تھی، لوگوں کے اس جذبۂ شوق اور وارفتگی کا سبب آپ کی شخصیت کی دل کشی کے علاوہ اور کیا تھا؟ ہوسکتا ہے یہاں کسی کو خیال ہو۔ مذکورہ بالا واقعہ میں جس رجوعِ عام اور اظہارِ شوق کا ذکر کیا گیا ہے اس کا سبب آپ کی شخصیت کی دل کشی نہیں، بلکہ روحانیت اور بزرگی ہے۔ تو میں گزارش کروں گا کہ میں یہاں جس دل کشی کا ذکر کر رہا ہوں اس میں بزرگی میں کوئی

مناسبت نہیں۔ میں یہاں کسی جوان العمر شخصیت کی دل کشی کا ذکر بھی نہیں کر رہا ہوں۔ میں تو ایک ایسی شخصیت کا ذکر کر رہا ہوں جس میں یہ دل آویزی، یہ جمال اور یہ دل کشی اس کی روحانیت اور بزرگی ہی نے پیدا کی ہے۔

اَنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا.

(سورۂ مریم ۱۹/ ۹۶)

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے اللہ پاک مخلوق کے دل میں ان کی محبت پیدا فرماتا ہے۔''

پھر بھی میں ایک ایسا واقعہ ذکر کر رہا ہوں جس میں مذکورہ بالا شبہہ کی بھی گنجائش نہیں۔

ایک دفعہ کلکتہ سے واپسی پر ہوڑہ اسٹیشن پر حضرت (مفتی اعظم) کا ساتھ ہوگیا۔ کچھ لوگ پہنچانے کے لیے بھی آئے تھے۔ گاڑی میں ابھی دیر تھی اور بنچیں ساری بھر گئی تھیں۔ اس لیے زمین پر ہی حضرت کے لیے فرش بچھا دیا گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ سیکڑوں مسلموں اور غیر مسلموں نے آپ کو گھیر لیا۔ نہ کبھی کی دیدہ نہ شنید، نہ تعارف مگر ہر انجان جاننے کی کوشش کر رہا ہے کہ کون بزرگ ہیں؟ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ کہاں آئے تھے اور کہاں جائیں گے؟

میں کہوں گا عرس کی تقریب میں تو اس قبولِ عام کی وجہ عقیدت مندوں اور مریدوں کی معرفت تھی۔ ہوڑہ اسٹیشن پر انجانوں میں اس قبولِ عام کا سبب آپ کی پُرکشش شخصیت کے علاوہ اور کون سی چیز تھی۔ سراپا پر نظر پڑ گئی اور جم کر رہ گئی، قدم رُک گئے اور دل بے اختیار کھنچنے لگے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

صداقت ہو تو دل سینے سے کھنچنے لگتے ہیں واعظ
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

خود میری وارفتگی اور گرویدگی کا سبب حضرت کا کوئی غیر معمولی علمی کارنامہ یا اُن کی عظیم بزرگی اور خدا رسیدگی نہیں ہے۔ مجھے پہلے سے اتنا معلوم تھا کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحب زادے ہیں؛ مگر جب دیکھا تو یہ اُن کی شخصیت کی دل کشی ہی تھی جس نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ زندگی میں اُنھیں سیکڑوں بار دیکھا اور مختلف حالتوں میں دیکھا، مگر جب دیکھا جلال و وقار، حُسن و دل کشی کا مرقع دیکھا اور جس حال میں دیکھا اُن کی ہر ادا دل کو بھاتی رہی۔

میں نے اُن کو بیٹھ کر تعویذ لکھتے ہوئے دیکھا ہے- اور بیش تر اوقات وہ تعویذ ہی لکھتے رہتے تھے۔ سر پر قیمتی بھاگل پوری عمامہ، جسم پر قیمتی چکن کا نہایت صاف کرتا، اس پر سنگھائی، پولسٹر یا قیمتی

کپڑے کی رنگین صدری، گلے میں گلاب کے پھولوں کا خوش نما ہار، پیر میں علی گڑھی پائجامہ، جو چھالٹی کا بھی ہوتا اور ٹیری کاٹ کا بھی، جتنا جسم کپڑے سے باہر ہوتا نہ چونے کی طرح سفید نہ گیہوں کی طرح سُرخ بلکہ سفید گیہوں کی طرح دودھیا۔ اور چہرے پر ایک خاص قسم کی چمک (حضور حافظِ ملت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ یہ چمک شب زندہ داروں اور تہجد گزاروں کی علامت ہے) بایاں زانو زمین پر رکھا ہوا اور دایاں کھڑا ہوا، اسی پر رکھ کر تعویذ لکھتے رہتے تھے۔ کاغذ پر تعویذ کے خانوں کی لکیر لوگ بائیں سے کھینچتے ہیں۔ آپ داہنے سے ہی بلا تکلف نہایت صاف سیدھی لکیریں بناتے تھے۔ کاغذ پھاڑنے کے لیے اس کو موڑنے اور نشان ڈالنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ تعویذ مکمل ہوگیا تو دائیں ہاتھ کی انگشتِ شہادت کے اشارے سے اور بائیں ہاتھ سے کاغذ دبا کر، جہاں سے ضرورت ہو بقیہ کاغذ آہستہ آہستہ الگ کرلیا اور کاغذ کبھی بے قاعدہ یا غلط نہیں پھٹتا تھا۔

اب میں کیا عرض کروں؟ عمامہ میں شان دار نظر آتے یا بدوضع، عام طور پر لوگ عمامہ اہتمام سے ہی باندھتے ہیں مگر حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے کبھی بھی عمامہ اہتمام سے باندھتے نہیں دیکھا، باندھنے کی بجائے اس کو لپیٹنا کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ مگر زندگی میں کم لوگوں کو دیکھا جن کے سر پر عمامہ اتنا خوب صورت معلوم ہوتا ہو۔ معلوم ہوتا تھا کہ عمامہ کی وضع انھیں کے فرقِ اقدس کے لیے ہوئی ہے۔

یوں ہی علمائے کرام میں ایک سے ایک مرصع لباس پہننے والے ملے۔ ان کی بڑائی کی وجہ سے میں ان کے لباس پر خاموش رہا ہوں یہ اور بات ہے کہ دل میں ہمیشہ ناگواری ہی رہی اور سادہ پسندی کی وجہ سے اکثر وبیش تر علمائے کرام کا میں شاکی ہی رہا، مگر اقرار کرتا ہوں کہ حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے لباسِ فاخرہ کو میں نے ہمیشہ مستثنیٰ قرار دیا اور دل نے ہر بار یہی فیصلہ دیا کہ جس کے جسم پر لباس ایسا پھبتا ہو اس کو بلا شبہہ ہر عمر میں ایسا ہی لباس پہننے کا حق حاصل ہے۔ واللہ العظیم- میں نے اتنا جامہ زیب انسان وہ بھی اتنا بوڑھا دیکھا ہی نہیں۔

مالا گلاب کی ہو یا گیندے کی مجھے کبھی نہیں بھائی، اگرچہ خود بھی پہنا اور لوگوں کو بھی پہنے ہوئے دیکھا، مگر حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ- ان کے گلے میں سُرخ گلاب کی مالا ایسا زیب دیتی تھی کہ بار بار جی چاہا کہ ایک مالا خرید کر میں بھی گلے میں ڈال دوں۔ پھولوں کے ہجوم میں آپ کا چہرہ خود ایک پھول نظر آتا تھا۔

میں نے ان کو چلتے ہوئے بھی دیکھا ہے: مذکورہ لباس پر دبیز پولسٹر چکن کی ایک نیچے دامن، پوری آستین، بنگلے گلے کی عبا کا اضافہ ہوجاتا۔ دائیں ہاتھ میں عصا اور بائیں کو موڑ کر اس میں

ایک رومال دابے ہوئے رہتے۔ دور سے معلوم ہوتا ایک خوب صورت گل دستہ ہولے ہولے حرکت کررہا ہے، اس آہستگی اور نرمی سے زمین پر قدم رکھتے تھے کہ معلوم ہوتا پھول برس رہے ہیں۔ میں نے بار بار سوچا سبحان اللہ! زمین پر نرم قدم رکھ کر اور سر جھکا کر چلنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ جب اس سنتِ رسول کی نقل اتنی دل کش ہے تو صاحبِ سنت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل رفتار کس درجہ حسین و دل رُبا رہی ہوگی؟ ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

میں نے آپ کو دسترخوان پر کھاتے بھی دیکھا ہے: جبل پور میں حضرت مولانا برہان الحق زید مجدہم کے یہاں آپ مہمان تھے۔ دسترخوان نہایت مکلّف اور وسیع تھا۔ اس علاقہ میں کڑھی بڑے اہتمام سے پکتی ہے، جو اتفاق سے حضور مفتی اعظم کو بھی مرغوب تھی۔ دسترخوان پر وہ بھی سامنے رکھی ہے، آپ ہاتھ سے اس کی پلیٹ ذرا اور کھسکا رہے ہیں، اور فرماتے ہیں مجھے زکام ہوا ہے، یہ نقصان کرے گی، اور لوگ منت وسماجت کررہے ہیں، نہیں حضور یہ تو زکام کو مفید ہے۔ اس سے زکام بہہ کر صاف ہوجاتا ہے۔ الغرض! کافی عرض ومعروض کے بعد آپ نے اس سے تھوڑا شوق فرمایا۔ سُرخ مرچوں اور لہسن کی چٹنی بھی آپ کو پسند تھی۔ روٹی کا چھلکا شوربے میں ڈبو کر اس طرح منھ میں رکھتے کہ ہاتھ کا کم سے کم حصہ آلودہ ہوتا۔ تین انگلیوں سے کھانے کا انداز مسنون ہے۔ یہ حدیثوں میں پڑھا تھا۔ لیکن حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر اس کی عملی مشق بھی فراہم ہوئی اور یہ معلوم ہوا کہ یہ ڈھنگ حسن ونفاست سے بھرپور اور آنکھوں کو بھی بھلا لگنے والا ہے۔

مختصر لقمہ منھ میں رکھ کر منھ بند کرکے دیر تک چلاتے رہتے۔ ساتھ ہی سر کو بھی تھوڑی جنبش ہوتی رہتی۔ مجھے ان کے اس طرح منھ چلانے کا انداز بھی بے حد بھلا لگتا اور اُن کے ساتھ دسترخوان پر میں کام ودہن کی لذّت کے ساتھ حسنِ نظارہ کا کیف بھی حاصل کرتا تھا۔

ایک دفعہ مئو اسٹیشن پر اپنے ساتھ کھانے پر بٹھالیا۔ میں اپنی عادت کے موافق لمبے لمبے ہاتھ مارنے لگا۔ اور حضرت اپنی عادت کے موافق تناول فرمانے لگے۔ تھوڑی دیر میں مجھے احساس ہوا کہ میں حضرت کے ساتھ کھانے کے لائق نہیں اور حسن وادب کے ساتھ کھانے کا سلیقہ بھی ایک فن ہے۔

ایک دفعہ آپ ٹرین میں سفر فرما رہے تھے۔ ڈبہ میں کسی غیر مسلم نے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا: میاں کھانا دائیں ہاتھ سے کھاتے ہیں۔ اس نے جواب میں کہا: بابا میں

مسلمان نہیں۔مطلب یہ کہ مسلمان ہوتا تو دائیں ہاتھ سے کھاتا کہ دائیں ہاتھ سے کھانا سنت ہے۔آپ نے فرمایا،ارے میاں مسلمان نہیں ہوتو انسان تو ہو۔سبحان اللہ! کیا عمدہ ہدایت ہے کہ بائیں ہاتھ سے کھانا انسانیت کے بھی خلاف ہے۔

ایک دفعہ دعوت میں کھانے کے بعد کسی نے لائف بوائے صابن سے ہاتھ دُھلانا شروع کیا۔فرمانے لگے: سبحان اللہ! کھانا کتنا عمدہ کھلایا اور ہاتھ اتنے بدبودار صابن سے دُھلایا۔کھانے کے بعد کوئی خوش بودار صابن ہونا چاہیے۔

آپ کے کھانے کی نشست بھی عموماً ایک زانو موڑ کر اور دوسرا کھڑا کر کے ہوتی، میں نے آپ کو چار زانو بیٹھے کبھی نہیں دیکھا۔سفر میں چاہے کتنے روز گزر جائیں مشتبہ اور دوکان کے کھانے سے پرہیز کرتے۔حقہ مسلسل نوش کرتے مگر ہر کش نہایت خوش گوار اور باسلیقہ ہوتا۔

الغرض! آپ کا کھانا بھی حسن ونفاست اور خوش نمائی کا ایک خوش گوار عمل ہوتا اور جب آپ دسترخوان سے اُٹھتے تو معلوم ہوتا کہ آپ نے کھانا نہیں کھایا ہے،دسترخوان کو نوازا ہے۔

میں نے آپ کو بستر پر آرام کرتے بھی دیکھا ہے: پیلی بھیت میں عرسِ حشمتی کے موقع پر بعدِ قل مولانا مرحوم کے آنگن میں ہی حضرت کے لیے بستر لگا۔میں نے دیکھا فی الوقت کوئی خادم نہیں ہے۔تو تھوڑی دیر میں نے ہی پاؤں دبایا۔آپ کے افعال متانت وآہستگی دیکھ کر یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ کا جسم بے حد ملائم اور نرم ہوگا۔مصافحہ کے وقت ہاتھ کی نرمی سے بھی یہی اندازہ ہوتا تھا۔لیکن مجھے حیرت ہوئی کہ آپ کی پنڈلیاں اور رانیں کافی سخت محسوس ہوئیں۔دائیں کروٹ رُخسار کے نیچے ہاتھ رکھ کر، اور پاؤں ذرا سمیٹ کر آرام کر رہے تھے۔سونے کے اس انداز کے بعد مجھے دوسرے تمام طریقوں پر تنقیدی نظر ڈالنی پڑی، اور اس کے مقابلے میں سب کو ہی رَد کرنا پڑا۔پٹ سونے کی تو حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے۔چت ہاتھ پاؤں پھیلا کر سونے میں مردے کا گمان ہوتا ہے۔حق یہ ہے کہ زندگی اور زندہ دلوں کا سونا وہی ہے جو-سنتِ رسول- ہے اور حضور مفتی اعظم جس پر کاربند تھے۔

آپ کی نماز کا منظر بھی دیکھنے کا ہوتا تھا: گھر سے آپ کے برآمد ہوتے ہی کئی آدمی آپ کو آگے پیچھے سے گھیر لیتے، اور مسجد کے دروازہ تک پہنچتے پہنچتے جو مشکل سے پچاس قدم کی دوری پر ہوگا، کسی کو دست بوسی کا شرف بخشتے۔کسی کو مصافحہ سے نوازتے اور کسی کے سلام کا جواب دیتے۔اتنے میں مسجد کے دروازے میں داخل ہوجاتے۔نہات متانت وآہستگی سے **اللّٰھم افتح لی ابواب رحمتک** پڑھتے اور عمامہ اُتار کر وضو کے لیے بیٹھ جاتے۔جو شخص عام انسانوں کے سامنے کبھی بھی

سر کھول کر نہ آیا ہو؛ جس کو لوگوں نے علی العموم، تاجِ کرامت اور کلاہِ عزت کے ساتھ دیکھا ہو اور جو مسجد میں ابھی ابھی اس شکوہ کے ساتھ داخل ہو۔وہ اپنے رب کے حضور یوں ننگے سر ہو کر خادمانہ حاضر ہو، یہ دیکھ کر دوسروں میں بھی جذبۂ عبودیت مچلنے لگتا تھا۔خادم ایک بڑے لوٹے میں نصف کے قریب پانی پاس ہی رکھ دیتا اور آپ اسی متوضاء پر تشریف فرما ہوتے جہاں وضو کے لیے پائپ لگے ہوتے ہیں۔پہلی بار جب میں نے یہ حالت دیکھی تو مجھے یہ طول عمل معلوم ہوا۔لیکن دریافت سے معلوم ہوا کہ نل سے وضو کرنے میں پانی زیادہ ضائع ہوتا ہے اس لیے حضرت نل سے وضو پسند نہیں کرتے کہ وضو میں پانی کا ضائع کرنا-اسراف- ہے۔میں نے پوچھا پانی کیوں آدھا لوٹا رکھا گیا تو معلوم ہوا کہ لوٹا بھر دیا جائے تو حضرت کے ہاتھ سے اُٹھ نہ سکے گا۔خیال ہوا کوئی دوسرا وضو کرا دیتا، دوسرے لمحہ خیال آیا وضو خود ہی کرنا مستحب ہے۔

سارے اعضا سنت کے موافق مکمل طور پر دُھلتے۔چہرہ دُھلتے وقت البتہ دسیوں بار آنکھوں پر پانی کے چھینٹے دیتے چوں کہ کسی کے دل میں یہ خیال آسکتا تھا کہ کہاں تو پانی کے استعمال میں وہ احتیاط اور کہاں یہ کشادہ دستی، دفع شبہہ کے لیے خود ہی فرما دیتے۔بار بار آنکھیں چپک جاتی ہیں یعنی آنکھ سے بطورِ مرض جو پانی نکلے ناقض وضو ہے۔پورے وضو میں-ادعیہ ماثورہ- کی تلاوت پست آواز میں جاری رہتی۔

ارکانِ نماز کی ادائیگی میں تو معہود طریقہ ہی برتتے،لیکن خشوع وخضوع کا یہ عالم تھا کہ پوری نماز میں آپ کے وجود پر عبودیت کی شان اور بندگی کا جمال طاری رہتا تھا۔دیکھنے والا دور سے ہی فیصلہ کر لیتا تھا کہ ایک مومن قانت نے اپنے مولا کی رضا جوئی کے لیے اپنے وجود کو عجز ودرماندگی اور عرض والتماس کے سانچے میں ڈھال لیا ہے۔**و قوموا للّٰہ قانتین.**

آخری اوقات میں جب ضعف ونقاہت میں بے حد اضافہ ہوگیا تھا اور بیٹھے رہنے میں بھی تکلیف ہوتی تھی۔یہ دیکھا گیا کہ مسجد میں جب تک بیٹھے ہیں مسلسل کراہ رہے ہیں۔اُٹھتے ہیں تو سہارا دیا جاتا ہے۔بیٹھتے ہیں تو سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔چلتے ہیں تو لوگ دونوں طرف سے سنبھالے رہتے ہیں۔لیکن جیسے ہی تکبیر شروع ہوئی ایسی چستی کے ساتھ کھڑے ہوجاتے جیسے کوئی تکلیف ہی نہ ہو۔پوری نماز قیام ورکوع کے ساتھ نہایت تن دہی اور مستعدی کے ساتھ ادا کرتے اور اُف تک کی صدا لب تک نہ آتی۔جیسے قیام وقعود اور رکوع وسجود کی مشقتیں خشیتِ الٰہی اور خوفِ ربانی میں تحلیل ہوگئی ہوں کہ ارشادِ الٰہی ہے:

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ. (سورۂ بقرہ۲/۴۵)

''بے شک نماز سخت بوجھل اور گراں ہے مگر اللہ کے خوف سے ڈرنے والوں کے لیے۔''

یا یوں کہیے کہ ساری کلفتیں راحت و آرام میں بدل گئیں کہ ارشادِ نبوی ہے:

قرة عینی فی الصلوٰة. ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا چین نماز ہے۔''

ہماری مذکورہ بالا تحریر کا مقصد یہ تھا کہ علم و فضل و تقویٰ و طہارت اور دیگر اخلاقِ فاضلہ سے قطعِ نظر خود آپ کی ذاتِ بابرکات بھی اتنی پُر کشش تھی کہ بے اختیار دل مائل ہونے لگتے، آنکھیں فرطِ عقیدت سے جھکنے لگتیں اور روح کی دُنیا مسخر ہونے لگتی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ذاتِ مبارک پر تسخیرِ قلوب و اطاعتِ اذہان اور محبوبیتِ عیون و ابصار کی خلعتِ فاخرہ ڈال رکھی تھی۔ اس سلسلے کی ایک اور خاص بات جس کو میں نے نوٹ کیا اور جو آپ میں اور شموگہ کے ایک بزرگ حضرت درویش بابا میں، مَیں نے مشترک دیکھی یہ تھی کہ اخیر عمر میں جب جسم گھل کر بالکل ہاڑ رہ گیا تھا۔ اس وقت بھی چہرہ پر گوشت اور نہایت بارونق تھا۔ چہرہ دیکھ کر کوئی یہ اندازہ ہی نہیں لگا سکتا تھا کہ اندر سے یہ اس درجہ دُبلے ہوں گے۔ حضرت درویش (بابا) کو تو میں بار بار دیکھ چکا تھا۔ لیکن حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو اس طرح دیکھنے کا زندگی میں صرف ایک بار موقع ملا۔ جب ایک دفعہ بغل بنوانے کے لیے لوگوں نے جسم سے کپڑا ہٹایا تو مجھے شدید احساس ہوا کہ چہرے اور جسم کے اس تفاوت کی خصوصیت حضرت میں بھی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ تسخیرِ خلائق اور شخصیت کی دل کشی کا جوہر بھی روحانیت کی برکت اور قربت خدا و رسول کا ہی ثمرہ ہے۔

کسبی محاسن:

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے کسبی کمالات کے لیے تو ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ وہ ایک بہت بڑے عالم تھے۔ سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ متعدد دینی کتابوں کے بالغ نظر مصنف تھے، اہلِ دل صوفی اور باکمال بزرگ تھے، بلکہ میرے نزدیک معمولاتِ ذکر و فکر میں ان کی ایک مجتہدانہ شان تھی، وعظ و تقریر نہیں فرماتے تھے، لیکن لوگوں کی رُشد و ہدایت کے لیے ان کے چند جملے لمبی لمبی تقریروں پر بھاری تھے۔ داد و دہش اور بذل و عطا میں شاہانہ انداز تھا۔ مدّتوں - مدرسہ مظہرِ اسلام - ان کے ذاتی صرفہ سے چلتا رہا۔ اُنھوں نے ہزاروں مقدمات کا منصفانہ فیصلہ فرمایا۔ مختصر یہ کہ آپ کی کسبی خصوصیات سے متعلق اسی طرح کے بیسیوں عنوان ہیں اور ہر عنوان قلم سے اپنے حق کا مطالبہ کر رہا ہے۔ مگر اس مختصر مضمون میں ان سب کی گنجائش کہاں۔ میں اس وقت صرف

اتباعِ شرع و متابعتِ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں چند مثالیں پیش کر رہا ہوں۔

(۱) جمعہ کے دن مصلیوں کی گردن پھلانگ کر آگے جانے والوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک وعید ہے:

من تخطی رقاب الناس یوم الجمعة اتخذ جسرا الی جهنم

(مشکوٰۃ شریف، حدیث ۱۳۹۲، دار الفکر، بیروت)

''جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگیں، اس نے جہنم کی طرف پل بنایا۔''

اس فرمانِ والاشان کے بموجب شریعتِ اسلامیہ کا یہ حکم ہے کہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں مصلیوں کی گردن پھلانگ کر آگے جانا شرعاً ممنوع اور معصیت ہے۔ ہاں اگلی صف والوں نے جگہ چھوڑ رکھی ہو تو اسے پُر کرنے کے لیے آگے جایا جا سکتا ہے، کہ صف پُر کیے بغیر پیچھے بیٹھ کر ان لوگوں نے اپنی حرمت خود ضائع کی۔

اس شرعی مسئلہ کو مدِ نظر رکھ کر مندرجہ ذیل واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

۳۰-۳۵ رسال پہلے کی بات ہے کہ اشرفیہ کے سابق ناظم الحاج محمد عمر صاحب مرحوم کے خلف الصدق حضرت مولانا نثار احمد صاحب غالباً پہلی بار مبارک پور میں حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو لائے اور آپ کی یہ تشریف آوری بالکل نجی اور بغیر کسی سابقہ اطلاع کے صرف شخصی دعوت پر ہوئی، اس لیے عوام اہل سنت تو کیا، اشرفیہ کے لوگوں کو بھی اس کی پیشگی خبر نہ ہو سکی۔ دن جمعہ کا تھا، جمعہ کے وقت مولانا نثار احمد صاحب حضرت کو لے کر اس وقت پہنچے کہ مسجد بھر چکی تھی، موسم گرمی کے تھے اس لیے مصلیوں کی آخری صفیں دھوپ سے بچنے کے لیے بالکل مسجد سے ملی جلی مسجد کی پوربی دیوار کے سایہ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

حضرت کرتا پائجامہ اور غالباً زرد رنگ کی صدری اور دو پلی ٹوپی اوڑھے ہوئے تشریف لائے، گرمی سے بچنے کے لیے تولیہ سر پر ڈال رکھا تھا۔ آج سے لگ بھگ تیس پینتیس سال قبل اہلِ مبارک پور کے دل میں، علما و مشائخ کی جو قدر و منزلت تھی، اِدھر حضرت کا پُر نور چہرہ اور دل کش شخصیت پھر ساتھ میں مولانا نثار احمد لوگوں نے دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا کہ کوئی بڑے عالمِ دین ہیں، اچھے بزرگ ہیں، اور اِدھر اُدھر کھسک کر آگے جانے کے لیے آپ کو راستہ دینے لگے کیوں کہ مسجد میں علما کے ساتھ ان کے احترامِ عقیدت کا یہی معمول تھا۔ لیکن حضور مفتی اعظم دھوپ میں ہی تولیہ بچھا کر سب سے پیچھے بیٹھ گئے؛ اصرار کے باوجود آگے نہیں بڑھے۔ یہ سارا واقعہ ادھر بھی ہو رہا تھا جدھر میں تھا۔ نماز کے بعد

میں نے معلوم کرنا چاہا یہ کون بزرگ تھے تو معلوم ہوا کہ- مفتی اعظم ہند!

غالباً یہ میری پہلی زیارت تھی، دل نے فیصلہ کیا سبحان اللہ! مسئلہ ہم لوگ بھی پڑھتے ہیں لیکن صرف پڑھنے کے لیے اور یہ اللہ والے پڑھتے ہیں تو عمل کرنے کے لیے۔ آپ کے اس عمل میں اتباعِ شریعت کے ساتھ احیاے سنت بھی پائی جارہی ہے؛ کہ لوگ آج کل اس سے غافل ہیں، اور مسجد میں لوگوں کی گردنیں پھلانگنے میں کوئی خوف نہیں محسوس کرتے۔

(۲) گزشتہ صفحات میں ہم نے ایک حدیث نقل کی کہ مسجد اُمورِ دُنیا کے لیے نہیں ہے۔ اسی حدیث کی روشنی میں حضرات علماے شرع نے مسجد میں کھانے پینے اور سونے، تجارت وغیرہ اُمورِ دُنیا سے منع فرمایا، صرف معتکف کو اجازت ہے، وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ مسجد آلودہ نہ ہو؛ اور اسی لیے یہ مستحب ہے کہ آدمی مسجد میں جب بھی داخل ہو اعتکاف کی نیت کرے اور کچھ ذکرِ الٰہی میں مصروف رہے۔ اگر بہ ضرورت کچھ کھانا پڑے تو معتکف ہونے کی وجہ سے اس کی اباحت ہوگی۔

مسئلۂ شرعی ذہن نشین کر لینے کے بعد حضرت کی احتیاطِ شرعی ملاحظہ ہو۔

ایک دفعہ بریلی حاضری ہوئی۔ اور رات میں قیام کا اتفاق پڑا۔ شہر کے کسی حصہ میں- میلاد شریف- کی تقریر تھی۔ حضرت کے ساتھ میں بھی شریکِ جلسہ ہوا، جلسۂ میلاد ایک مسجد میں تھا اور نہایت مختصر سا معین تھے۔

مجمع کم ہو یا زیادہ میرا بارہا کا یہ تجربہ ہے کہ جس جلسے میں حضور مفتی اعظم یا حضور حافظِ ملت ہوں وہ جلسہ بے حد پُر کیف ہو جاتا تھا۔ تقریر خوب جمتی تھی اور مقرر اور سامع دونوں ہی کافی محظوظ ہوتے تھے۔ چنان چہ اس جلسہ میں بھی روایت خوانی کے بعد میں نے تقریر شروع کی۔ مختصر تعداد کے باوجود جلسہ بے حد پُر کیف اور کامیاب رہا، اور آپ حسبِ معمول جلسہ میں آنکھیں بند کیے تشریف فرما رہے۔ کوئی خاص مقام آتا تو آنکھیں کھول کر مقرر کو دیکھ لیتے اور جب بہت تاثر ہوتا تو آنکھیں بھیگ جاتیں اور ڈبڈبائی نظروں سے دیر تک مقرر کو تکتے رہتے۔

ختمِ وعظ کے بعد صاحبِ مجلس نے حاضرین کی چائے سے تواضع کی، حضرت نے چائے کی پیالی ہاتھ میں لے کر ارشاد فرمایا: ہم نے مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کر لی تھی جس نے نہ کی ہو اب کر لے کہ مسجد میں غیر معتکف کو کھانا پینا منع ہے۔

بادی النظر میں یہ معمولی ادب ہے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو جو شخص شریعت کے کسی ادنیٰ درجہ کے ادب پر بھی اس شدت کے ساتھ مواظبت فرمائے؛ دیگر احکامِ شرعیہ کی بجا آوری میں اس کا کیا

حال ہوگا۔ ساتھ ہی اس واقعہ سے رفعِ شبہ اور ہدایتِ خلق کے اہتمام کا بھی پتا چلتا ہے۔

(۳) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے، جس سے مسلمانوں کی حقیقی شان اور ان کے داعیِ حق ہونے کے منصب کا اظہار ہوتا ہے:

من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ وذٰلک اضعف الایمان. (کنز العمال، حدیث ۵۵۲۴، بیت الافکار الدولیہ، الریاض)

''تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے، اگر ہاتھ سے بدلنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کی برائی بیان کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں اس کو بُرا سمجھے اور یہ ایمان کا کم زور ترین درجہ ہے۔''

اور اسی اَمر کو قرآنِ عظیم نے اپنے انداز میں بیان کیا ہے:

کُنتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ

(سورۂ آل عمران ۹/۱۱۰)

''تم لوگ بہترین اُمت ہو جو انسانوں کے لیے بنائے گئے ہو تا کہ لوگوں کو نیکی کا حکم دو اور برائیوں سے روکو۔''

مگر اسلام میں جتنی اس کی تاکید ہے۔ عام لوگ اسی نسبت سے مداہنت اور زمانہ سازی میں بکثرت مبتلا ہیں۔ خاص خاص مردانِ حق اور خاصانِ خدا البتہ ہر زمانہ میں اس فرضِ منصبی پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ حدیث مبارک میں ایسے ہی لوگوں کی مدح فرمائی گئی ہے:

لا یزال طائفۃ من امتی علی الحق ظاھرین لایضرھم من خالفھم حتیٰ یاتی امر اللّٰہ. (مسند امام احمد بن حنبل، حدیث ۲۲۳۹۵، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

''میری اُمت کا ایک طبقہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا اور اس باب میں اسے کسی کے لعنت و ملامت کی پرواہ نہ ہوگی۔''

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس وصف میں اپنے اہلِ زمانہ میں ممتاز مشارٌ الیہ تھے، چنان چہ ناممکن تھا کہ کوئی غلط بات حضرت کے سامنے ہو جائے اور حضرت اس کی اصلاح نہ فرمائیں۔

آپ کی مجلس میں تعویذ کے لیے مَردوں اور عورتوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ لیکن کیا مجال کہ کسی

عورت کا ہاتھ بھی بے پردہ ہو جائے، جہاں کسی سے بداحتیاطی ہوئی، اور آپ کی ڈانٹ پڑی، لا الہ الا اللّٰہ، استغفر اللّٰہ، استغفر اللّٰہ، اری اپنا ہاتھ ڈھانک، بے غیرت۔ مجھ بڈھے کو اپنا ننگا ہاتھ دکھانے آئی ہے۔ اور پوری مجلس پر سناٹا چھا گیا اور سب نے اپنے کپڑے درست کر لیے۔

ایک دفعہ دوا پٹوڈیٹ اور بے پردہ مسلمان عورتیں ساری میں ملبوس کہیں دور سے تعویذ لینے کے لیے آئیں۔ آپ نے تعویذ لکھتے لکھتے نظر جو اُٹھائی تو نگاہ اُن پر پڑ گئی، فوراً رُخ پھیر لیا، اور سر نیچا کیے ہوئے لگ بھگ پندرہ منٹ تک ان کی سرزنش کرتے رہے۔ انداز کچھ نرم اور بے حد تحسر آمیز تھا۔ گویا اُنھیں دِلی تکلیف پہنچی ہو، جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ کچھ اس طرح تھا: نہ اللہ و رسول کے حکم کا خوف، نہ اپنے طرزِ معاشرت کی پرواہ، نہ انجام کا خیال۔ اتنی دور سے تنہا عورتیں چلی آئیں، ساتھ میں کوئی محرم نہیں۔ اس پر ظلم یہ کہ بے پردہ، مزید ستم یہ کہ لباس بھی مسلمانوں کا نہیں۔ ٹرینوں میں حادثات ہوتے رہتے ہیں۔ ان پر کوئی زیادتی ہو تو مسلمان کیسے ان کی حمایت کریں، کسی حادثہ میں مر جائیں تو یہ کیسے پتا چلے کہ مسلمان ہیں؟ خیال فرمایے کہ نہ مٹی نہ جنازہ یوں ہی پھونک دی جائیں گی۔ یہ سب وبالِ اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کا۔ وہ عورتیں بے حد شرمسار اور جز بز ہوئیں، لیکن ان کے پاس پردے کا تو کوئی اہتمام تھا ہی نہیں؛ کرتیں کیا؟

حضرات مقررین نے کبھی جوشِ بیان میں کبھی نقطۂ زبان سے اور کبھی لاعلمی اور جہالت سے (کہ آج کل تقریر کے لیے رسوخِ علم ضروری نہیں رہ گیا ہے) دورانِ تقریر ایسے جملے صادر ہو جاتے ہیں جو شرعاً، عقلاً، یا زبان و بیان کے لحاظ سے قابلِ اعتراض ہوتے ہیں۔ اگر مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ اسٹیج پر ہیں تو کیا مجال ہے کہ کوئی مقرر ایسی بداحتیاطی کر کے گزر جائے، اور آپ -امر بالمعروف- نہ فرمائیں۔ کئی بڑے خطبا سے تو برسرِ منبر انھوں نے توبہ تک کرائی؛ خود اپنی زندگی میں مجھے دو مرتبہ ایسی سرزنش سے پالا پڑا ہے۔ توبہ تک کی نوبت البتہ نہیں آئی۔

ضلع گیا کے جلسہ میں ایک بار آپ کے ساتھ شرکت کا اتفاق ہوا۔ رات میں تقریر کے دوران میں نے یہ کہا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے قرآنِ عظیم میں لفظ نور استعمال فرمایا۔'' تقریر ختم ہوئی اور جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے، ان کے فیضِ صحبت سے محفل بڑی پُر کیف پُر نور رہی۔ دوسرے دن ساتھ ہی گھوسی کے لیے واپسی ہوئی، راستہ میں بڑے خوش گوار ماحول میں باتیں ہوتی رہیں۔ اسی دوران آپ نے فرمایا: ''رات آپ نے تقریر میں اللہ کے لیے عمل کا لفظ استعمال فرمایا۔ اگر کہیں قرآن و حدیث میں یہ لفظ ذاتِ باری کے لیے آیا ہو، تب تو اس کا بولنا صحیح ہوگا ورنہ نہیں۔ اَمر کی تحقیق کر لیجیے گا۔'' آج پندرہ

بیس سال ہو گئے اور میں اس سلسلہ میں غور کرتا رہتا ہوں مجھے تو کوئی ایسا محلِ استعمال نہ ملا۔

دوسری بار مغربی یوپی کے ہی کسی علاقہ میں تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا: ''بدنصیب مسلمان آج کل رات میں بارہ بجے تک سنیما دیکھتے ہیں اور دن میں بارہ بجے تک سوتے ہیں۔'' اک بیک بازو سے میری طرف پوری طرح مخاطب ہو کر کہا نہایت بلند آواز میں، بے حد بیزاری کے ساتھ گویا مجھ پر پھٹ پڑے: ''مولانا! میں اِس کو مان نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت بدنصیب ہو۔ آپ اس کو بدنصیب نہ کہیے کچھ اور کہہ لیجیے، حق یہ ہے کہ جس اُمت کے نگہ بان رسولِ عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں وہ بدقسمت کیسے ہو سکتی ہے۔''

چہ غم دیوار اُمت را کہ دارد چوں تو پشتیان
چہ باک از موج بحر آن را کہ دارد چوں تو کشتیان

اُمت کی دیوار کو کیا غم جو تیرے جیسا سہارا رکھتی ہے اور طوفانِ نوح سے اس کو کیا خوف جو تیرے جیسا کھیون ہار رکھتی ہے۔

اور لسان و بیان کی اِصلاح کا انداز بے حد دل چسپ اور پُر لطف ہوتا تھا۔ ایک دفعہ لوگوں نے آپ کے سامنے کہنا شروع کیا: طوفان (ایکسپریس) ایک بجے آ رہا ہے۔ ایک بجے طوفان آ رہا ہے۔ کئی بار اِس جملے کو سُن چکے تو فرمایا: ''سبحان اللہ! بولنے کا کیا انداز ہے۔ طوفان آ رہا ہے، طوفان آ رہا ہے؛ میاں! کہنا ہی ہے تو یوں کہو: ایک بجے بریلی اسٹیشن سے طوفان گزر جائے گا۔'' سبحان اللہ! بات وہی ہے لیکن پہلے جملے کا ظاہر بے حد بھیانک ہے اور دوسرے کا ظاہر و باطن یکساں خوش گوار، تھوڑے سے تصرف نے قبح کو حسن بنا ڈالا۔

فتاویٰ رضویہ، جلد سوم شائع ہوئی تو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے ایک نسخہ لے کر حاضرِ خدمت ہوا۔ خیال ہوا کہ اس کا پیش لفظ سُنا دیا جائے، پیش لفظ میں ایک جگہ حضور اعلیٰ حضرت کے غیر معمولی قوتِ حافظہ کے بارے میں تحریر تھا: ''حافظہ اس بلا کا تھا'' پوری زندگی ہم نے اس جملے کو بار بار مقامِ مدح ہی سُنا تھا۔ سُن کر حضرت نے فرمایا: ''واہ واہ! آپ نے حضرت کے حافظے کی تعریف فرمائی ہے، یا آپ کی تنقیص کی ہے۔ آپ کا حافظہ بلا کا تھا، یہ -بلا- کون سی چیز ہے۔'' تب مجھے احساس ہوا حضرتِ والا زبان و بیان کا بھی کس درجہ لطیف ذوق رکھتے تھے اور اس کی باریکیوں پر کیسی مہارتِ تامہ حاصل تھی!

الغرض! آپ کی بارگاہ میں شرعی لغزش ہو یا اخلاقی و لسانی؛ سب پر پوری دار و گیر ہوتی اور

اعلانِ حق اور -امر بالمعروف- کا پورا پورا حق ادا کیا جاتا۔اس ضمن میں یہاں جس خاص واقعہ کا ذکر کر رہا ہوں، وہ بھی ایک غیر معمولی وقوعہ ہے۔

حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک سچے مسلمان کے حوصلہ ایمانی کے ساتھ یکا وتنہا میدانِ عمل میں اُتر پڑے تھے اور نئی تعمیرات کے سنگِ بنیاد کے موقع پر ایک آل انڈیا تعلیمی کانفرنس کا اعلان فرما چکے تھے۔

کانفرنس ہوئی اور بے مثال ہوئی۔اس میں از رہِ دین پروری حضور مفتی اعظم اور حضرت مولانا سید آلِ مصطفیٰ علیہ الرحمہ بھی شریک ہوئے، کچھ عقیدت مندوں نے اہلِ کچھوچھہ کے بائی کاٹ سے متاثر ہوکر اس خاندان کی دوسری شاخ (اہلِ بسکھاری) کے سجادہ نشیں معروف بہ بابو میاں کو شرکت کی دعوت دی تو وہ بھی شریک ہوئے۔

علمائے دیوبند کے خلاف علمائے عرب وعجم کے فتویٰ کفر سے ساری دُنیا واقف ہے۔اور اعلیٰ حضرت اور ان کے خاندان کو اس سلسلہ میں حق کی حمایت اور سچ کی جنبہ داری میں جو تقدم حاصل ہے وہ کسی کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں۔اب صورتِ حال یہ ہے کہ بابو میاں جن کے اجداد پر دیوبندیوں کی حمایت کا الزام تھا۔اس جلسۂ سنگِ بنیاد میں شرکت کے موقع پر حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لیے دارالعلوم اشرفیہ کی نچلی منزل کے مغربی کمرہ میں آئے۔حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کو سلام کیا، مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا اور خود ہی تعارف کرایا ہوگا یا کسی نے بتایا ہوگا۔یا پہلے سے ہی حضرت کو معلوم تھا۔بہر حال حضرت نے نہ سلام کا جواب دیا؛ نہ مصافحہ کیا۔بلکہ فرمایا: صاحب آپ کے خاندان کے لوگ علمائے دیوبند کے حامی رہے ہیں اور ان پر علمائے عرب وعجم کے کفر کے فتوے ہیں۔اگر آپ بھی اس روش میں ان کے ہی ہم راہ ہیں تو میں آپ سے کیسے سلام وکلام کرسکتا ہوں جب کہ حدیث شریف میں ایسے لوگوں سے قطعِ تعلق کا حکم آیا ہے؟

بابو میاں نے کہا حضور میں کبرائے دیوبند کی تکفیر میں ساری دُنیا کے اہلِ اسلام کا ساتھی ہوں، چنان چہ اسی وقت انھوں نے اس مضمون کی اپنی دستخطی تحریر مفتی اعظم کے حضور میں پیش کی۔

اس وقت لوگوں نے ایک عجیب وغریب منظر دیکھا، حضور مفتی اعظم نے بابو میاں سے فرمایا۔ صاحب زادے آپ ذرا کھڑے ہوجائیں۔نہ تو بابو میاں یہ سمجھے کہ کیوں یہ حکم ہو رہا ہے، نہ مجلس میں بیٹھنے والے ہی۔مگر جب حکم پاکر بابو میاں کھڑے ہوئے تو حضور مفتی اعظم نے بہ آن شان وجلال، بہ آن عظمت وتقدس وبہ آن ریشِ سفید ورفعتِ پیری، ایک سبزہ آغاز نوجوان (بابو میاں) کا پیر دونوں ہاتھ سے پکڑ لیا۔ڈبڈبائی آنکھیں ان کے چہرہ کی طرف اُٹھا کر فرمایا: صاحب زادے ہم تو آپ کے غلام

وخانہ زادے ہیں۔ہمارے پاس جو کچھ ہے آپ کے ہی جدِ کریم کا دیا ہوا ہے۔ہم نے شروع میں جو کیا آپ کے ہی جدِ کریم کے حکم کی بجا آوری اور اُنھیں کے دین کا پرچم بلند کرنے کے لیے کیا۔ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ایک چاکر اپنے مالک کے پاؤں پکڑ کر اس سے معافی مانگ رہا ہے۔اس وقت پورے مجمع پر رقّت طاری تھی اور کھلی آنکھوں سے دُنیا دیکھ رہی تھی کہ بلاشبہہ حق وہدایت، اطاعتِ شرع واتباعِ سنت انھیں بزرگوں کے دَم قدم سے ہے۔

درود ہو میرے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جنھوں نے فرمایا: **من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ** ''جو برائی دیکھے اپنے ہاتھ سے اُسے درست کرے اور سلام ہو حضور مفتی اعظم پر کہ آپ نے سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس حکم پر پوری زندگی عمل کر کے شاہراہِ حق قائم فرمادی۔

☆☆☆

فن حدیث کے امام اعظم

''اس دریائے ناپیدا کنار کے تلاطم کا تو یہ حال ہے کہ بحث کے جس نکتے پر قلم اٹھتا ہے مختلف سمتوں میں اتنی دور تک پھیل جاتا ہے کہ اس کا سمیٹنا مشکل ہے۔ابن اسحاق کی حدیث پر حضور مفتی اعظم نے فن حدیث کے ایسے ایسے علمی ذخائر ونوادر کا انبار لگا دیا ہے کہ عقل حیران ہے، کہ ہم کس کس رُخ سے اس جلوے کا تماشا دیکھیں اور اس چمکتے ہوئے نگارخانے میں کس کس گوہر تاب دار کی نشان دہی کریں۔

حضور مفتی اعظم کو اب تک اپنے وقت کے ایک فقیہ اعظم اور مجتہدانہ بصیرت رکھنے والے ایک فقید المثال اور وحید العصر کشور افتا کی حیثیت سے جانتے تھے لیکن -وقایۃ اہل السنۃ- کے مطالعہ کے بعد ہر انصاف پسند کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ وہ صرف مفتی اعظم نہیں تھے بلکہ اپنے دور میں فنِ حدیث کے امام اعظم بھی تھے۔''

رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ

(جہانِ مفتی اعظم، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی)

مناجاتِ رضویہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یا الٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو
جب پڑے مشکل شہِ مشکل کُشا کا ساتھ ہو

یا الٰہی بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو
شادیِ دیدارِ حُسنِ مصطفیٰ کا ساتھ کو

یا الٰہی گورِ تیرہ کی جب آئے سخت رات
ان کے پیارے منھ کی صبحِ جانفزا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب پڑے محشر میں شورِ دارو گیر
اَمن دینے والے پیارے پیشوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے
صاحبِ کوثر شہِ جود و عطا کا ساتھ ہو

یا الٰہی سرد مِہری پر ہو جب خورشید حشر
سیدِ بے سایہ کے ظِلِّ لِوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی گرمیِ محشر سے جب بھڑکیں بَدن
دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی نامۂ اعمال جب کھلنے لگیں
عیب پوشِ خَلق ستارِ خطا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب بہیں آنکھیں حسابِ جُرم میں
اُن تبسم ریز ہونٹوں کی دُعا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب حسابِ خندۂ بے جا رُلائے
چشمِ گریانِ شفیعِ مرتجیٰ کا ساتھ ہو

یا الٰہی رنگ لائیں جب مِری بے باکیاں
ان کی نیچی نیچی نظروں کی حیا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب چلوں تاریک راہِ پل صراط
آفتابِ ہاشمی نور الہدیٰ کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب سرِ شمشیر پر چلنا پڑے
ربِّ سلِّم کہنے والے غم زُدا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جو دُعائیں نیک ہم تجھ سے کریں
قدسیوں کے لب سے آمیں ربنا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب رضاؔ خوابِ گراں سے سر اٹھائے
دولتِ بیدار عشقِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو

☆☆☆

میں تو جاتا مجھے سرکار نے جانے نہ دیا

مفتیِ اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری

بختِ خفتہ نے مجھے روضے پہ جانے نہ دیا
چشم و دل سینے کلیجے سے لگانے نہ دیا

آہ قسمت! مجھے دُنیا کے غموں نے روکا
ہائے تقدیر! کہ طیبہ مجھے جانے نہ دیا

پاؤں تھک جاتے اگر پاؤں بناتا سر کو
سر کے بل جاتا مگر ضعف نے جانے نہ دیا

سر تو سر جان سے جانے کی مجھے حسرت ہے
موت نے ہائے مجھے جان سے جانے نہ دیا

حالِ دل کھول کے دل آہ ادا کر نہ سکا
اتنا موقع ہی مجھے میری قضا نے نہ دیا

ہائے اس دل کی لگی کو میں بجھاؤں کیوں کر
فرطِ غم نے مجھے آنسو بھی گرانے نہ دیا

سجدہ کرتا جو مجھے اس کی اجازت ہوتی
کیا کروں اِذن مجھے اس کا خدا نے نہ دیا

حسرتِ سجدہ یوں ہی کچھ تو نکلتی لیکن
سر بھی سرکار نے قدموں پہ جھکانے نہ دیا

کبھی بیمارِ محبت بھی ہوئے ہیں اچھے
روز افزوں ہے مرض کام دَوا نے نہ دیا

اب کہاں جائے گا نقشہ ترا میرے دل سے
تہ میں رکھا ہے اسے دل نے گمانے نہ دیا

نفسِ بدکار نے دل پر یہ قیامت توڑی
عملِ نیک کیا بھی تو چھپانے نہ دیا

نفس بدکیش ہے کس بات کا دل یہ شاکی
کیا برا دل نے کیا ظلم کمانے نہ دیا

میرے اعمال کا بدلہ تو جہنم ہی تھا
میں تو جاتا مجھے سرکار نے جانے نہ دیا

میرے اعمالِ سیہ نے کیا جینا دو بھر
زہر کھاتا ترے ارشاد نے کھانے نہ دیا

اور چمکتی سی غزل کوئی پڑھو اے نوریؔ
رنگ اپنا ابھی جمنے شعرا نے نہ دیا

(سامانِ بخشش، ص: ۵۷۔۵۸، آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء)

خلیفۂ اعلیٰ حضرت علامہ نعیم الدین مرادآبادی کی تصنیف ''الکلمۃ العلیاء'' اور علم غیبِ رسول پر اعتراضات کا تاریخی پس منظر

غلام مصطفیٰ نعیمی
مدیر اعلیٰ سوادِ اعظم دہلی، gmnaimi@gmail.com

برصغیر ہندوستان کا وہ دور انتہائی نازک تھا جب انگریزوں کے ایما پر کچھ صاحبانِ جبہ ودستار نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو اپنی ناپاک تنقید کا نشانہ بنایا اور انگریزوں کی 'پھوٹ ڈالو اور راج کرو' پالیسی کو مضبوط کیا۔ ہندوستان کی سرزمین پر اس مذموم کام کی ابتدا ملک کے انتہائی مشہور ومعروف علمی خانوادے کے ایک فرد شاہ اسماعیل دہلوی کے ذریعے ہوئی۔ جس نے شیخ ابن عبدالوہاب نجدی کی ''کتاب التوحید'' کا چربہ ''تقویۃ الایمان'' کے نام سے اتار کر مسلمانانِ ہند کو ایک ناختم ہونے والی اذیت میں مبتلا کر دیا۔

اس کتاب کے منظر عام پر آتے ہی مسلمانانِ ہند میں سخت اضطراب پڑ گیا اور ہر طرف بے چینی پھیل گئی۔ مگر اس سے شاہ اسماعیل دہلوی کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ انہوں نے خود اسی کام کے لیے یہ کتاب لکھی تھی۔ خود اس کے زہریلے اثرات کے بارے میں لکھتے ہیں: ''میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ آ گئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے، مثلاً ان امور کو جو شرکِ خفی تھے شرکِ جلی لکھ دیا گیا ہے..... اس سے گو کہ شورش ہوگی مگر لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔''(۱)

یہاں ہم ہر انصاف پسند سے یہ سوال کرتے ہیں: کیا کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ شریعت میں اپنی من مرضی سے کام لے، شرکِ خفی کو شرکِ جلی بنائے؟ مسلمانوں کو لڑانے بھڑانے کا یہ دانستہ عمل کوئی اتفاق نہیں ہے؛ بلکہ اس کے پیچھے ایک گہری سازش تھی۔ انگریزوں کو مسلمانوں کی اجماعی قوت کو توڑنا مقصود تھا، اسی لیے انہیں تلاش تھی زر پرست بکاؤ مولویوں کی جن کے ذریعہ یہ کام مسلمانوں کے اندر سے ہی ہو، تاکہ مسلمان آپس میں ہی اُلجھ جائیں اور ایسا ہی ہوا۔ اس کتاب کے منظر عام پر آتے ہی مذہبی اختلافات پھیلتے چلے گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر گھر مذہبی بحث ومباحثہ کا اکھاڑا بن گیا، اور انگریز چاہتے بھی یہی تھے۔ ہماری اس بات پر ایک غیر جانب دار مصنف کی شہادت بھی موجود

ہے۔ مولانا ابوالحسن زید فاروقی (مجددی) تحریر کرتے ہیں:

''اس کتاب سے مذہبی آزاد خیالی کا دور شروع ہوا، کوئی غیر مقلد ہوا، کوئی وہابی بنا، کوئی اہلِ حدیث کہلایا، کسی نے اپنے آپ کو سلفی کہا۔ ائمہ مجتہدین کی جو منزلت اور احترام دل میں تھا وہ ختم ہوا..... افسوس اس بات کا ہے کہ توحید کی حفاظت کے نام پر بارگاہِ نبوت کی تعظیم واحترام میں تقصیرات کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔''(۲)

اس کتاب کے رد میں علمائے اہلِ سنت نے سخت احتجاج کیا اور ہر طریقے سے اس کتاب کا رد کیا بالخصوص بطلِ حریت حضرت علامہ مولانا فضل حق خیرآبادی نے اسماعیلی فکر کا زبردست تعاقب کیا اور ۱۸؍رمضان جمعۃ المبارکہ ۱۲۴۰ھ/ ۶ مئی ۱۸۲۵ء میں ''تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ'' تحریر فرما کر ملتِ اسلامیہ کے عقائد کی حفاظت کی۔ اس تحقیقی کتاب پر خانوادۂ شاہ ولی اللہ کے فیض یافتہ ۱۷؍علمائے کرام کے دستخط موجود ہیں۔ جن کے اسما درج ذیل ہیں:

[۱] مولانا محمد شریف [۲] مولانا حاجی محمد قاسم [۳] مولانا حیات محمد آری [۴] مولانا کریم اللہ [۵] مولانا محمد رشید الدین خاں [۶] مولانا مخصوص اللہ دہلوی [۷] مولانا محمد رحمت [۸] مولانا عبد الخالق [۹] مولانا محمد عبداللہ [۱۰] مولانا محمد موسیٰ [۱۱] مولانا خادم محمد [۱۲] مولانا احمد سعید مجددی [جدِ اعلیٰ مولانا ابو الحسن زید فاروقی] [۱۳] مولانا محمد شریف [۱۴] مولانا محمد حیات [۱۵] مولانا محمد صدرالدین [۱۶] مولانا رحیم الدین [۱۷] مولانا میر محبوب علی (۳)

خود خانوادۂ شاہ ولی اللہ کے افراد نے اس کتاب (تقویۃ الایمان) سے سخت بیزاری کا اظہار کیا اور تحریری تردید بھی کی۔

اس کتاب کے رد میں علمائے کرام نے بکثرت کتابیں لکھیں ہیں۔ زیادہ اہم وہ دو کتابیں ہیں جو شاہ رفیع الدین کے گرامی قدر صاحب زادوں نے لکھی ہیں۔ مولانا مخصوص اللہ نے ''معید الایمان'' اور مولانا محمد موسیٰ نے ''حجۃ العلم فی اثبات القلم'' تحریر فرمائی۔ یہ دونوں کتابیں آج تک چھپی نہیں ہیں۔ ایک کتاب مولانا شاہ مخلص الرحمان ملقب بہ جہانگیر شاہ نے ''شرح الصدور'' کے نام سے فارسی میں تیرہویں صدی کے آخر میں لکھی ہے، ان کے مخلصین نے اس کے ترجمے کا خلاصہ اردو میں شائع کیا ہے۔(۴)

مولانا ابوالحسن زید فاروقی؛ اسماعیل دہلوی کی انگریز دوستی سے پردہ اُٹھاتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

''پروفیسر شجاع الدین صدر شعبۂ تاریخ دیال سنگھ کالج لاہور نے جن کی وفات ۱۹۶۵ء میں

ہوئی ہے، اپنے ایک خط میں پروفیسر خالد بزمی لاہور کو لکھا ہے اور اعتراف کیا کہ انگریزوں نے کتاب ''تقویۃ الایمان'' بغیر قیمت کے تقسیم کی ہے۔'' (۵)

اس اقتباس کے بعد کیا اب بھی کسی ثبوت کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ اسماعیلی فکر کو کھاد پانی کون فراہم کرار ہا تھا اور کس کے ایما و اشارے پر بنام مذہب یہ گھنونا کھیل کھیلا جار ہا تھا؟

اسماعیلی فکر کے حاملین وقتاً فوقتاً اپنی زہر بجھی طبیعتوں کا گندا کھیل کھیلتے رہے۔ علماے حق نے ہر دور میں ان تمام فتنوں کا بھرپور تعاقب کیا اور علم غیب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف اُٹھنے والی ہر آواز کو خاموش ہونے پر مجبور کر دیا۔

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کا علم رسول پر اعتراض:

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک نام ور شاگرد و خلیفہ حضرت مولانا عبد السمیع سہارن پوری علیہ الرحمہ نے بھی عقائد اہلِ سنت کی حمایت اور وہابی فکر کی تردید میں 'انوارِ ساطعہ' نامی کتاب لکھی۔ جس پر برافروختہ ہو کر مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنے شاگرد مولوی خلیل احمد انبیٹھوی سے 'براہینِ قاطعہ' نامی بدنام زمانہ کتاب لکھوائی جو ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۷ء میں شائع ہوئی، جس میں علم غیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی قلبی خباثت کا اظہار کرتے ہوئے یہ پراگندہ عبارت تحریر کی: ''شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت (علم) نص (قرآن) سے ثابت ہے، فخر عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے؟''

یہاں یہ واضح رہے کہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ وہابیوں کے کئی اکابر علما خصوصاً مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی اشرف علی تھانوی کے پیر و مرشد بھی تھے۔ اور انہوں نے خود مولانا عبد السمیع علیہ الرحمہ کی حمایت میں ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' نامی رسالہ تحریر فرمایا تھا جس میں 'انوارِ ساطعہ' کی تائید اور 'براہین قاطعہ' کی تردید تھی، مگر مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنے پیر و مرشد کی بات ماننے سے بھی انکار کر دیا اور حاجی صاحب کے رسالہ 'فیصلہ ہفت مسئلہ' کو جلا کر اپنے بے ادب و گستاخ ہونے کا کھلا ثبوت فراہم کیا۔

مولوی خلیل احمد ان دنوں بہاول پور میں مدرس تھے۔ جب یہ کتاب چھپ کر منظر عام پر آئی تو لوگوں کو خلیل احمد انبیٹھوی کے نظریات کا علم ہوا۔ مولانا غلام دستگیر قصوری (نقشبندی) نے مولوی خلیل کو مناظرے کا چیلنج دیا۔ پیر طریقت حضرت خواجہ غلام فرید صاحب کو حکم مناظرہ بنایا گیا۔ اس مناظرہ میں مولوی خلیل احمد اور علماے وہابیہ کو شکستِ فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ جس پر نواب آف بہاول پور نے مولوی

خلیل انبیٹھوی کو ریاست بدر کرنے کا حکم سنایا۔ یہ پوری روداد ''تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

مولوی اشرف علی تھانوی کا علم غیب رسول پر حملہ:

۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء میں مولوی اشرف علی تھانوی نے ایک چند ورقی رسالہ ''حفظ الایمان'' تحریر کیا اور اسماعیلی فکر کو آگے بڑھاتے ہوئے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب پر تنقید کرتے ہوئے یہ کفری عبارت تحریر کی:

''پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔'' (۶)

تھانوی جی کی اس -کفریہ عبارت- پر پوری ملتِ اسلامیہ چیخ اُٹھی، بھلا کون ایسا بدنصیب مسلمان ہوگا جو اپنے آقا و مولیٰ کے علم پاک کو پاگلوں اور جانوروں سے تشبیہ دے گا۔ خود تھانوی جی کے بعض بہی خواہوں نے اس عبارت پر اپنی بے چینی کا اظہار کیا۔ مگر تھانوی صاحب ٹس سے مس نہ ہوئے، بالآخر مجدد اسلام امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے علماے حرمین شریفین سے فتویٰ حاصل کر کے اس کے کفر کا حکم جاری فرمایا۔

انگریز بہادر کے اشارے پر -علم غیب رسول- پر انگشت نمائی کا سلسلہ دراز ہوتا گیا اور علماے وہابیہ سارا زورِ قلم اسی میں لگاتے رہے کہ معاذ اللہ حضور علیہ السلام ایک قاصد محض تھے۔ لیکن زمانہ کبھی ان عاشقانِ وفا کیش علما سے خالی نہ رہا جنہوں نے ناموسِ رسالت کی حفاظت کے لیے اپنے قلم میں سیاہی کی جگہ خونِ دل سے کام لیا اور علم رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر انگلی اُٹھانے والوں کو ہر محاذ پر رُسوا و پسپا کیا۔ علم غیب رسول کے اثبات میں چند اکابر علماے اہلِ سنت کی تصانیف کی فہرست پیش خدمت ہے، اس سے اندازہ لگائیں کہ ہمارے علما کس قدر بیدار تھے اور کس طرح انہوں نے دشمنانِ مصطفیٰ کے ہر وار کو ہر دور میں ناکام کیا:

[۱] ازاحة العيب بسيف الغيب ۱۳۳۰ھ [۲] الجلاء الكامل لعين قضاة الباطل ۱۳۲۶ھ [۳] خالص الاعتقاد ۱۳۲۸ھ [۴] الدولة المكية بالمادّة الغيبية ۱۳۲۳ھ [۵] اراحة جوانح الغيب عن ازاحة اهل العيب ۱۳۲۶ھ [۶] السيف المسلول علىٰ منكر علم

غیب الرسول ۱۳۲۳ھ [۷]الفیوضات الملکیة لمحب الدولة المکیة ۱۳۲۶ھ [۸]انباء المصطفیٰ بحال سرواخفی ۱۳۱۸ھ [۹]اللؤلؤ المکنون فی علم البشیر بماکان ومایکون ۱۳۱۸ھ [۱۰]اثبات علم الغیب ۱۲۸۲ھ [۱۱]انتباہ المنکرین ،علامہ نبی بخش حلوائی[۱۲]نور العینین فی اثبات علم الغیب لسید الثقلین، علامہ مفتی محمد حسن اللہ صدیقی[۱۳]کشف رین الریب عن مسئلة علم الغیب، علامہ عبدالباقی الکنوی المدنی [۱۴]مطابقة الاختراعات العصریة لما اخبر به سید البریة، محدث مراکش علامہ احمد بن محمد الصدیق الغماری متوفی ۱۳۸۰ھ[۱۵]منیر الدین فی اثبات علم جمیع الاشیاء لسید الانبیاء وخاتم المرسلین، علامہ بشیر الدین [۱۶]تنبیه الغفول عن علم غیب الرسول، علامہ عبیداللہ قادری البدایونی[۱۷]ازالة الریب عن مبحث علم غیب، علامہ قاضی فضل حق لدھیانوی [۱۸]القول المقبول فی اثبات علم غیب الرسول، علامہ محمد یٰسین قادری حیدرآبادی ۱۳۲۳ھ [۱۹]مرجع غیب، مولانا غیاث الدین[۲۰]اثبات علم الغیب، مفتی محمد سعید خان ۱۲۸۲ھ سید المطابع دہلی[۲۱]السر المصون فی بیان اللّٰه تعالیٰ اطلع نبیه علیٰ ماکان وسیکون، علامہ سید احمد بن جعفر الکتانی[۲۲]السیف المسلول علیٰ منکر علم غیب الرسول، علامہ نذیر احمد رام پوری[۲۳]میل الهداة لبرء عین القضاة ۱۳۲۵ھ[۲۴]ماحیة العیب بایمان الغیب [۲۵]ابراء المجنون عن افتهاکه علم المکنون [۲۶]ظفر الدین الجید ملقب به بطش غیب[۲۷]الیاقوت والمرجان فی العلم المحمدی، علامہ ابوالفیض محمد بن عبدالکبیر الکتانی متوفی ۱۳۲۷ھ[۲۸]علم غیب، مفتی عبدالحفیظ حقانی مفتی آگرہ متوفی ۱۳۷۷ھ[۲۹]نجم الرحمٰن، علامہ غلام محمود پیلانوی متوفی ۱۳۶۷ھ[۳۰]رسالہ علم غیب، علامہ مخدوم اللہ بخش عباسی متوفی ۱۳۳۵ھ[۳۱]رسالہ علم غیب، علامہ قلندر علی سہروردی متوفی ۱۳۷۷ھ[۳۲]علم النبی، مولانا نورالحسن سیالکوٹی[۳۳]مسئلہ علم غیب، علامہ سید احمد دین گانگوی متوفی ۱۳۸۸ھ [۳۴]القول المقبول فی علم غیب الرسول، علامہ حافظ محمد امین اندرابی[۳۵]اعلام الاذکیاء باثبات علوم الغیب لخاتم الانبیاء، علامہ شاہ سلامت اللہ رام پوری متوفی ۱۳۳۸ھ[۳۶]حاسم المفتری علیٰ السید البرزنجی ۱۳۲۶ھ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی[۳۷]اقامة شواهدالمنقول والمعقول علیٰ احاطة علم نبینا الرسول، امام منصور بغدادی[۳۸]ملاک الطلب وجواب استاذحلب، امام الحدیث عبدالمالک بن محمد التجموعتی

قاضی سجلماسۃ[۳۹]النیر الوضی فی علم النبی، حضرت علامہ قاضی محمد نور چشتی متوفی ۱۳۳۴ھ [۴۰]فصل الخطاب فی العلم بما غاب، علامہ برکات احمد ٹونکی متوفی ۱۳۴۷ھ[۴۱]الیواقیت الثمنیة فی الاحادیث القاضیة بظهور سکة الحدید ووصولها الی المدینة، علامہ سید عبدالحی الکتانی محدث مراکش متوفی ۱۳۸۲ھ(۷)

یہ فہرست تو نمونہ بھر ہے وگرنہ علماے اہلِ سنت نے -علم غیب مصطفیٰ- پر اُٹھنے والے ہر اعتراض کے ایسے تار و پود بکھیرے ہیں کہ اگر کوئی غیرت مند جماعت ہوتی تو ہمیشہ کے لیے اپنی قبیح حرکتوں سے باز آجاتی مگر وہابیہ کا حال تو یہ ہے کہ ع

ناکامیوں نے اس قدر سرکش بنادیا : اتنے ہوئے ذلیل کہ خوددار ہوگئے

صدرالافاضل کا منظرعام پر آنا:

جس وقت مولوی اشرف علی تھانوی نے ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء میں اپنی رسوائے زمانہ کتاب ''حفظ الایمان'' شائع کی یہ وہ وقت تھا کہ صوبہ اتر پردیش کے مردم خیز شہر مرادآباد میں ایک نوعمر عالم دین نے اپنی مروجہ تعلیم مکمل کی تھی۔ جس کی ذہانت وفطانت دورِ طالب علمی ہی سے عیاں تھی، اور جو اپنے زورِ استدلال اور قوتِ دلائل کی بنیاد پر پورے شہر میں اہلِ سنت کی آنکھوں کا تارا بن چکا تھا، وہیں وہابی علما کی آنکھوں کا کانٹا بھی۔ اس جواں سال عالم دین کا نام تھا-سید محمد نعیم الدین-جن کا خاندانِ علم وادب اور شعروسخن میں پورے شہر میں ممتاز تھا، جنہوں نے وقت کے ایک نام ور محدث حضرت علامہ مفتی گل محمد قادری کی درس گاہ سے تکمیل علم کی دولت حاصل کی تھی۔ بعد میں یہی جواں سال عالم دین امام الہند، فخر الاماثل اور صدرالافاضل کے لقب سے مشہور ہوئے۔

اسی زمانے میں ریاست رام پور کی سرزمین پر حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ رام پوری علیہ الرحمہ نے عقائد اہلِ سنت کی حمایت اور وہابیت کی بیخ کنی کے لیے ایک معرکۃ الآرا کتاب 'اعلام الاذکیاء' تحریر فرمائی تھی، اس کتاب کے منصۂ شہود پر آتے ہی ایوانِ وہابیت میں زلزلہ طاری ہوگیا، اور عوام اہلِ سنت پر ظاہر ہوگیا کہ حنفیت کی آڑ میں اسماعیلی فکر کو بڑھاوا دے کر ابن عبدالوہاب نجدی کے گم راہ نظریات کی راہ ہم وار کی جارہی ہے۔ اس لیے علماے دیوبند نے اپنی خفت مٹانے اور عوام کی نگاہ میں اپنی عزت کو بچانے کے لیے رام پور کے ہی ایک دیوبندی عالم مولوی واحد نور کو آگے بڑھایا اور شاہ صاحب کی کتاب کی تردید میں 'اعلائے کلمۃ الحق' نامی کتاب لکھی گئی اور بزعم خود 'اعلام الاذکیاء' کا رد کیا گیا، حالاں کہ شاہ صاحب کی جلالتِ علمی کے سامنے وہ کتاب کہیں نہیں ٹھہرتی مگر چند بے سروپا سوالات

قائم کر کے عوام پر یہ دھونس جمائی کہ دیکھو ہم نے شاہ سلامت اللہ صاحب کا علمی رد کر دیا۔ حافظ واحد نور کی کتاب جب حضرت صدرالا فاضل کے مطالعہ میں آئی تو آپ نے کوئی خاص توجہ نہیں دی مگر مراد آباد کی ایک مشہور شخصیت، مرید اعلیٰ حضرت، الحاج ملا اشرف صاحب نے اس کے رد کا اصرار کیا۔ حاجی صاحب ویسے تو زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے البتہ مطالعہ اچھا خاصہ وسیع تھا، بزرگوں کے بڑے عاشق تھے، اہلِ علم سے محبت ان کی گھٹی میں تھی۔ خود صدرالا فاضل سے گہرے تعلقات اس بات کی غمازی کرتے ہیں۔ کہاں صدرالا فاضل عمر کی ۲۰ رویں بہار میں تھے اور کہاں حاجی صاحب ایک پختہ عمر کے سن رسیدہ شخص، مگر حاجی صاحب فضیلتِ علم کی وجہ سے صدرالا فاضل سے بہت محبت فرماتے تھے۔ حاجی صاحب کے بارے میں صدرالا فاضل کے عزیز شاگرد تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی (مدیر اعلیٰ السوادالاعظم مراد آباد) تحریر فرماتے ہیں:

''حاجی صاحب کو ان کے پیر کی دعا سے ایسی قوتِ حافظہ حاصل تھی کہ وہابیہ اور اہلِ سنت کی تمام (مناظرانہ) کتابیں حفظ تھیں، بے پڑھے لکھے آدمی تھے مگر مناظروں میں حاضر ہوتے، مناظرہ کرتے رہتے کہ فلاں مضمون فلاں کتاب کے فلاں صفحہ پر ہے، وہ صفحات نکالتے تو موجود ہوتا۔ اس طرح تمام کتبِ مناظرہ انہیں ازبر تھیں، بڑے مقدس بزرگ تھے۔''(۸)

انہوں نے صدرالا فاضل سے کافی اصرار کیا کہ آپ ضرور اس کتاب کا رد فرمائیں کہ وہابیہ شور کرتے ہیں کہ ہم نے شاہ سلامت اللہ صاحب کی کتاب کا رد کر دیا اور کوئی سنی عالم ہمارا جواب نہیں دے پا رہا ہے۔ حاجی صاحب کے پیہم اصرار پر آپ نے حافظ واحد نور کی 'اعلائے کلمۃ الحق' کے رد میں بلند پایہ کتاب 'الکلمۃ العلیاء لاعلاء علم المصطفیٰ' تحریر فرمائی۔ باوجود اس کے کہ یہ کتاب صدرالا فاضل کی پہلی تصنیف اور نوعمری کی کاوش ہے مگر! علم و تحقیق کی دُنیا میں اس کتاب کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا، اپنے ہوں یا بیگانے سب نے اس کے طرزِ تحریر، زورِ استدلال، حوالہ جات کی کثرت اور اس کے ہمہ گیر اثرات کا اعتراف کیا۔ علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر برصغیر ہندوستان میں اتنے مدلل و مفصل انداز میں لکھی جانے والی چند اہم کتابوں میں سے یہ ایک نمایاں تصنیف ہے۔ جس نے سرکارِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے علم پاک پر سوال اُٹھانے والوں کو عاجز و ساکت کر دیا۔

اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں صدرالا فاضل نے کس قدر مشقتیں برداشت کیں، اور کس طرح یہ بلند پایہ کتاب منظرِ عام پر آئی اس کی کیفیت بیان کرتے ہوئے مخدوم ملت حضرت مفتی غلام معین الدین نعیمی (مدیر اعلیٰ سوادِ اعظم، لاہور) یوں رقم طراز ہیں:

''اس وقت چوں کہ آپ کے پاس کوئی جامع کتب خانہ نہ تھا جس میں ہر ایک قسم کی کتابیں موجود ہوتیں، لامحالہ آپ نے رام پور اسٹیٹ کے کتب خانہ کی طرف رجوع کیا، مسلسل جا جا کر رام پور کے کتب خانہ سے حوالہ جات دیکھ کر آتے اور مراد آباد میں کتاب لکھتے، جب آپ کی عمر شریف بیس سال کی ہوئی تو وہ کتاب بھی مکمل ہوگئی جو علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر (صدرالا فاضل کی) سب سے پہلی اور جامع کتاب ہے جس کا نام 'الکلمۃ العلیاء لاعلاء علم المصطفیٰ' ہے۔(۹)

مذکورہ اقتباس کی روشنی میں آپ اندازہ لگائیں کہ کتاب کتنے سخت حالات میں تحریر کی گئی۔ جو لوگ قلم و قرطاس سے وابستہ ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایک مصنف کے لیے کتابوں کی فراہمی اور یکسوئی سب سے ضروری ہوتی ہے۔ مگر صدرالا فاضل کے یہاں ان دونوں ہی چیزوں کا فقدان تھا، نہ کتابیں ہی میسر تھیں اور نہ ہی یکسوئی کی دولت۔ رام پور کا فاصلہ بھی مراد آباد سے کوئی کم نہیں ہے، آج جب کہ دونوں شہروں کی آبادی میں حد درجہ اضافہ ہو چکا ہے اور دونوں شہر اپنی حدود اربعہ سے بہت آگے نکل چکے ہیں تب بھی رام پور شہر کے لیے مراد آباد سے قریب ۳۰ رکلو میٹر کی دوری طے کرنا پڑتی ہے، حالاں کہ آج آمد و رفت کے ذرائع بہت زیادہ بڑھ چکے ہیں اور آج کسی بھی وقت آپ آسانی سے رام پور پہنچ سکتے ہیں، مگر! جب ایک صدی پہلے کے بارے میں سوچا جاتا ہے تو صدرالا فاضل کی بے لوث قربانیاں، دینِ متین کے لیے ان کی سخت جدوجہد، باغیانِ مصطفیٰ کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کی ان کی تڑپ اور عقیدۂ اسلام کی حفاظت کے لیے اپنے وقت و مال کی پروانہ کرنے کا منظر نگاہوں کے سامنے گھومتا ہے تو بے اختیار اس امام الہند کے لیے دل سے دُعا نکلتی ہے جس نے قوم مسلم کے عقائد کی حفاظت کے لیے اسلاف کی یادوں کو زندہ کر دیا، کہ جب ہمارے بزرگ ایک ایک روایت کے لیے میلوں میل کا سفر طے کرتے تھے۔ ٹھیک اسی طرح صدرالا فاضل نے ایک ایک روایت کے لیے نہ جانے کتنی مرتبہ مراد آباد سے رام پور کا سفر کیا۔ لیکن ان کی یہ محنت شاقہ رائیگاں نہ گئی اور جاتی بھی کیسے! کہ یہ ساری تگ و دو عظمتِ احمد مختار کے لیے تھی اور بارگاہِ رسول سے عاشقوں کو ہمیشہ ہی ان کے خلوص پر انعام و اکرام سے نوازا جاتا رہا ہے۔ اس کتاب کو بھی بارگاہِ رسول سے مقبولیت کا پروانہ ملا اور یہ کتاب پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کے بیان میں ایک اٹل دستاویز کی صورت اختیار کر گئی۔

جب یہ کتاب مکمل ہوئی اور حاجی اشرف صاحب نے اس کو سنا تو جذبۂ حبِّ رسول کی بنا پر خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا، اور عاشق جب مسرور ہوتے ہیں تو ان کا عالم الگ ہی ہوتا ہے۔ حاجی صاحب نے اس کتاب کے مشمولات کو سماعت کر کے بطورِ انعام اپنے ہاتھ سے پیتل کا ایک پاندان اور دو

اگالدان بنا کر پیش کیے۔ جنہیں یادگار کے طور پر محفوظ رکھا گیا ہے اور آستانۂ نعیمیہ میں آج بھی یہ چیزیں محفوظ ہیں۔ پیتل سازی میں مہارت کا عالم یہ ہے کہ ابھی تک ان برتنوں کی قلعی بھی خراب نہیں ہوئی ہے۔ فقیر کا خیال یہ ہے کہ برتنوں کی قلعی خراب نہ ہونے کے پیچھے صنعت گری بھی ایک وجہ ہوسکتی ہے مگر اصل کمال صنعت گری کا نہیں بلکہ اس جذبۂ صادق کا ہے جو حاجی صاحب کے سینے میں عشقِ رسول بن کر ضوفگن تھا۔ اور ایک بار عشق صادق کا رنگ چڑھ جائے تو دل تو دل ہے برتنوں تک سے رنگ نہیں اُترتا ؎

چڑھ جائے رنگِ عشق تو اترے ہے پھر کہاں : رنگِ اُلفت ہے یہ رنگِ دیوار نہیں ہے

بارگاہِ اعلیٰ حضرت میں اس کتاب کی حاضری:

جب یہ کتاب مستطاب مکمل ہوگئی تو حاجی اشرف صاحب اس کتاب کو لے کر اپنے پیر و مرشد مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اس کی پوری منظر کشی مفتی غلام معین الدین نعیمی یوں فرماتے ہیں:

''حاجی صاحب نے اعلیٰ حضرت کی خدمت اقدس میں کتاب پیش کی۔ اعلیٰ حضرت نے اس کو ملاحظہ کر کے فرمایا: ماشاء اللہ بڑی عمدہ، نفیس کتاب ہے، یہ نوعمری اور اتنے احسن دلائل کے ساتھ اتنی بلند پایہ کتاب مصنف کے ہونہار ہونے پر دال ہے۔'' (۱۰)

اس کے بعد اعلیٰ حضرت سے صدرالافاضل کا رشتہ اس قدر مضبوط ہوا کہ زندگی بھر قائم رہا، خود صدرالافاضل فرماتے ہیں: ''میرا معمول تھا کہ اعلیٰ حضرت کے آستانے کے لیے کبھی میرا بستر کھلا ہی نہیں، میں لازمی ہر پیر اور جمعرات کو اعلیٰ حضرت کی خدمت میں جاتا تھا۔''

اس کتاب کے بارے میں امام اہلِ سنت امام احمد رضا محدث بریلوی کی شہادت کے بعد کسی اور علمی شہادت کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس وقت تک علم غیب مصطفیٰ پر 'الکلمة العلیاء' ہی سب سے نمایاں اور اہم کتاب تھی بعد میں سفرِ حج کے موقع پر اعلیٰ حضرت کے قلم حق سے 'الدولة المکیة بالمادة الغیبیة' نامی کتاب منصۂ شہود پر آئی، جو منکرینِ علم غیب کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی۔ آج بھی یہ دونوں کتابیں اپنے موضوع پر شاہ کار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ فرقۂ وہابیہ آج تک ان لاجواب کتابوں کا جواب لانے سے قاصر ہے۔ اور صبح قیامت تک وہابیہ کی تمام ذریت بھی اس کا جواب نہیں لاسکتی۔

کچھ اس کتاب کی ترتیب جدید کے بارے میں:

'الکلمة العلیاء' کی اہمیت وافادیت کے پیشِ نظر کافی وقت سے اس کتاب کی ترتیبِ جدید اور تسہیل وتخریج کا خیال تھا۔ ہمارے استاذِ محترم حضرت علامہ مولانا یامین نعیمی صاحب مہتمم جامعہ نعیمیہ

کی بھی خواہش تھی، مگر کسی نہ کسی وجہ سے تاخیر ہوتی گئی۔ پھر کچھ فراغت کے بعد کام شروع کر دیا، ابھی قریب دس بیس صفحات کی تخریج ہی ہو پائی تھی کہ ایک دن محبّ مکرم میثم عباس قادری صاحب (ایڈیٹر: مجلّہ کلمۂ حق لاہور) سے تبادلۂ خیال ہوا۔ دورانِ گفتگو اسی کتاب کا ذکر نکل آیا تو میں نے عرض کیا کہ فقیر نعیمی اس کتاب پر تخریج کا کام شروع کر چکا ہے۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ ہمارے ایک دوست اس کتاب پر کام کر رہے تھے، شاید ان کا کام مکمل بھی ہوگیا ہوگا، میں آپ کو جلد ہی بات کر کے بتاتا ہوں تا کہ تکرار سے بچا جاسکے۔ پھر انہوں نے عزیز مکرم مولانا المحترم جناب ابوالنور ابن نور محمد صاحب سے رابطہ کیا، فقیر کا رابطہ کرایا۔ مولانا ابوالنور صاحب سے بات چیت پر معلوم ہوا کہ ان کا کام قریب قریب مکمل ہو چکا ہے۔ یہ بات سن کر فقیر نے اپنا کام وہیں روک دیا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ جلد اپنا کام مکمل کر کے فقیر کو سونپ دیں تا کہ اشاعتی مراحل کو طے کیا جاسکے۔ پہلے اس کتاب کو عرسِ اعلیٰ حضرت پر لانے کا پروگرام تھا مگر کسی وجہ سے یہ ممکن نہ ہوسکا، اب جامعہ نعیمیہ کے سالانہ جلسۂ دستار بندی ۳۰ رمئی ۲۰۱۵ء کے حسین موقع پر یہ کتاب منصۂ شہود پر آرہی ہے۔ ☆ ۲۰۱۳ء سے فقیر نعیمی نے طلبۂ جامعہ نعیمیہ کو اس بات پر اُبھارا کہ وہ اپنی دستار کے موقع پر کسی کتاب کی اشاعت کا اہتمام کیا کریں تا کہ ہمارا کتابی سرمایہ جدید اسلوب وانداز میں سامنے آئے اور وقت کے تقاضوں کی تکمیل بھی ہوسکے۔ الحمد للہ! طلبۂ جامعہ نے فقیر کی صدا پر لبیک کہا اور اسی سال سے اس منصوبے پر کام کا آغاز ہوگیا۔ سب سے پہلے صدرالافاضل کی مطبوعات کو منتخب کیا گیا اور پہلے سال آپ کی دو کتابیں 'اسلام اور ہندوستان اور التحقیقات' منظر عام پر آئیں، جب کہ دوسرے سال 'آداب الاخیار فی تعظیم الآثار' کی طباعت ہوئی اور اس سال صدرالافاضل کی پہلی اور علم غیب پر دستاویزی کتاب 'الکلمة العلیاء' منظرِ عام پر آرہی ہے۔ طلبۂ جامعہ اپنی اس کاوش کے لیے حددرجہ قابلِ مبارک باد ہیں، اللہ کریم ان سب کو شاد وآباد رکھے۔

☆☆☆

مصادر:

(۱) ارواحِ ثلاثہ، حکایت 59 (۲) مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان، ص ۹۔۱۰
(۳) ایضاً، ص ۱۷ (۴) ایضاً، ص ۱۴
(۵) ایضاً، ص ۵۱ (۶) حفظ الایمان، ص ۶
(۷) ماخوذ: اعلام الاذکیاء، جدید ایڈیشن (۸) حیاتِ صدرالافاضل نمبر، سوادِ اعظم لاہور، ص ۷
(۹) حیاتِ صدرالافاضل، ص ۴۶ (۱۰) حیاتِ صدرالافاضل، ص ۴۷

☆ الحمد للہ! جامعہ نعیمیہ کے دستار بندی کے پروگرام میں یہ کتاب منظرِ عام پر آچکی ہے۔

خلیفۂ اعلیٰ حضرت مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم میرٹھی

کا داعیانہ کردار اوران کا جذبۂ اخلاص

ڈاکٹر رضاء الرحمٰن عاکف
میاں سرائے، سنبھل ضلع مراد آباد، یوپی

اللہ تبارک وتعالیٰ کی اہلِ اسلام پر یہ خصوصی رحمت ہے کہ اس نے اس امت کو عدیم المثال اور نابغۂ روزگار ہستیوں سے نوازا۔ ان میں مفسرین بھی ہیں اور محدثین بھی۔ مبلغین بھی ہیں مصلحین بھی۔ متصوفین بھی ہیں متکلمین بھی۔ محققین بھی ہیں ناقدین بھی۔ مصنفین بھی ہیں مؤلفین بھی۔ غرض کہ گونا گوں صفات کے حامل حضرات وشخصیات سے اسلام کو نوازا گیا ہے۔ اس تحریر میں ملتِ اسلامیہ کی اسی زمرے سے متعلق ایسی عظیم الشان شخصیت کی حیات وخدمات کا جائزہ لینا مقصود ہے جس نے ملک و بیرونِ ملک میں تبلیغ اسلام اور اشاعتِ دین کی وہ بے مثال خدمات انجام دیں، جن کی مثال نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ ہماری مراد ہے خلیفۂ اعلیٰ حضرت؛ علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رضوی قدس سرہ العزیز کی ذات اقدس سے جنہوں نے اسلام کی بے لوث خدمات انجام دیں۔ جو ان کے جذبۂ اخلاص اور ذوقِ تبلیغ دین متین کا پختہ ثبوت ہے۔

خاندانی پس منظر: علمی اعتبار سے کسی بھی شخصیت کی عظمت و بزرگی کا انحصار جہاں اس کا ذاتی وصف اور صلاحیتوں پر مبنی ہوا کرتا ہے وہیں ان کا کچھ انحصار خانگی اوصاف پر بھی ہے۔ اس اعتبار سے بھی جب ہم مبلغ اسلام کی ذات اقدس پر نظر ڈالتے ہیں تو وہاں بھی ہم کو ایک عظیم الشان روایت نظر آتی ہے۔ جیسا کہ ان کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے:

’’آپ کی ولادت باسعادت ۱۵؍رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ مطابق ۳؍اپریل ۱۸۹۲ء محلّہ مشائخاں میرٹھ یوپی میں ہوئی...... والد ماجد مولانا شاہ محمد عبدالحکیم صدیقی جوشؔ نعت گو شاعر اور صاحبِ تقویٰ بزرگ تھے...... آپ کا سلسلۂ نسب ۳۷؍ویں پشت میں خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق سے جا ملتا ہے۔(۱)

تعلیم وتربیت: مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی نے تعلیم کا آغاز تو اپنے والد ماجد کی نگرانی میں ہی کیا۔ بچپن سے ہی بڑے ذہین وذکی تھے۔ چار سال دس ماہ کی عمر میں قرآن مجید مکمل کرلیا۔ ختم قرآن اور ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد آپ کو جامعہ قومیہ مدرسہ عربیہ میرٹھ میں داخل کیا گیا۔ وہاں

سے سولہ سال کی عمر میں ۱۹۰۸ء میں فارغ التحصیل ہوئے اور درسِ نظامی کی سند حاصل کی۔ آپ کی قوتِ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ اساتذہ جس قدر درس دیتے تھے۔ وہ آپ کو ازبر ہو جاتا تھا۔ اور دورانِ تکرار آپ اپنے ساتھیوں کو استاد کی پوری درسی تقریر بعینہٖ سنا دیا کرتے تھے۔

علوم اسلامیہ کے ساتھ ہی عصری تعلیم میں بھی دل چسپی رکھتے تھے۔ اس لیے ۱۹۱۳ء میں اٹاوہ اسلامیہ ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۱۷ء میں ڈویژنل کالج میرٹھ سے بی۔ اے اور ۱۹۱۸ء میں ایل۔ ایل۔ بی کی سند حاصل کی۔ میرٹھ کالج کی تعلیم کے دوران آپ کو آل برما ایجوکیشنل کانفرنس کا صدر منتخب کیا گیا۔ اس کانفرنس میں آپ نے جو خطبہ دیا۔ وہ برما اور سیلون میں بہت مقبول ہوا۔ دورانِ تعلیم مسلم طلبہ کی تنظیم مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی تشکیل کی۔ پنجاب یونی ورسٹی سے اورینٹل لینگویج میں بھی سند حاصل کی۔ آپ کو کئی زبانوں پر مکمل عبور حاصل تھا۔ جن میں عربی، اردو، فارسی، انگریزی، فرنچ، جرمنی، جاپانی، افریقی زبانوں کا نام بطور خاص لیا جاسکتا ہے۔

آپ کی تعلیم وتربیت میں آپ کے والد ماجد مولانا شاہ عبدالحکیم صدیقی نے خاص توجہ دی۔ خود بھی پڑھایا اور لائق اساتذہ کا انتخاب بھی کیا۔ آپ کے قابل ذکر اساتذہ میں امام احمد رضا محدث بریلوی، مولانا شاہ احمد مختار صدیقی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، شیخ احمد الشمس مراکشی مدنی، لیبیا کے صوفی بزرگ شیخ سید محمد ادریس السنوسی کے اسمائے گرامی سرِفہرست ہیں۔ آپ کی خداداد ذہانت وصلاحیت اور زبردست محنت وجدوجہد کو دیکھ کر آپ کے اساتذہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا یہ شاگرد مستقبل میں ہمارا اور اپنے آباواجداد کا نام ضرور روشن کرے گا۔

مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی ۱۹۱۹ء میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی سے بیعت ہوئے۔ اور خلافت سے بھی نوازے گئے۔ اسی سال آپ پہلی مرتبہ حج بیت اللہ شریف کی سعادت سے بھی شرف یاب ہوئے۔ آپ امام اہلِ سنت سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ سفر حج سے واپسی پر آپ نے امام احمد رضا کی شانِ اقدس میں ایک منقبت پیش کی۔ جو علمی حلقوں میں بہت پسند کی گئی۔

علمی وتحقیقی کارنامے: حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی مبلغ اسلام ہونے کی وجہ سے دعوتی و تبلیغی نوعیت کی شخصیت کے مالک رہے ہیں۔ اس لیے ان کے تمام تحقیقی کام تبلیغی رنگ لیے ہوئے ہیں لہٰذا ان کا تفصیلی ذکر تو اس مختصر سی تحریر میں نہیں کیا جاسکتا مگر یہاں بطور تعارف اتنا بیان کر دینا ضروری محسوس کررہا ہوں جس سے آپ کے علمی وتحقیقی کارناموں کا رنگ ونور قارئین تک پہنچ سکے۔

دورانِ تعلیم ہی آپ کو مطالعہ وتحقیق کا حد درجہ شوق رہا۔ قدرت کاملہ نے حضرت کو زورِ قلم

کے ساتھ ہی تقریر و وعظ کا بھی مکمل ملکہ عطا فرمایا تھا۔ آپ کی تقاریر علم و تحقیق کا بے مثال خزینہ ہونے کے ساتھ ہی اس قدر دل چسپ و مؤثر ہوا کرتی تھیں کہ ہر طبقہ و خیال خواہ مشائخ و صوفیا ہوں یا علما و جدید تعلیم یافتہ؛ سب یکساں طور پر ہمہ تن گوش ہو جایا کرتے تھے۔ آپ کی تقاریر ذہن و دل کے شبہات کو مکمل رفع کرتے ہوئے ایمان و ایقان کی روشنی دلوں میں اُتار دیا کرتی تھیں۔ یوں تو آپ کے تمام ہی دعوتی و تبلیغی کام علمی و تحقیقی نوعیت کے ہیں مگر ان میں بھی آپ نے جس عالمانہ و محققانہ طور پر تقابلِ ادیان اور ردِ ابطال کا فریضہ انجام دیا وہ علم و تحقیق کے میدان میں آپ کا نمایاں کارنامہ ہے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر تقاریر کے ساتھ ہی تصانیف بھی یادگار چھوڑی ہیں جو آپ کی علمی صلاحیتوں کی غماز ہیں۔ آپ کی گراں قدر تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی قدس سرہٗ نے تالیف و تصنیف پر بھی خاطر خواہ توجہ دی۔ اور کثیر تعداد میں قابلِ فخر تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔ لیکن افسوس ان میں سے بہت سی تصانیف زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہوسکیں۔ اور جو طبع ہوئیں ان کا شایانِ شان اہتمام نہ کیا گیا۔ چند تصانیف کے نام یہ ہیں: [۱] ذکرِ حبیب (دو حصے) [۲] کتاب تصوف [۳] بہارِ شباب (نوجوانوں کی اصلاح کے لیے بہترین کتاب) [۴] احکام رمضان (یہ تصانیف اردو میں ہیں۔) [۵] اسلام کی ابتدائی تعلیمات [۶] اسلام کے اصول [۷] اسلام اور اشتراکیت [۸] انسانی مسائل کا حل [۹] اسلام میں عورت کے حقوق [۱۰] مکالمہ جارج برنارڈ شا [۱۱] مرزائی حقیقت کا اظہار (یہ تصانیف انگریزی میں ہیں) (۲) [دیوبندی مولویوں کا ایمان؛ سائنس کے فروغ میں مسلمانوں کا حصہ- بھی آپ کی اہم تحریریں ہیں- مرتب]

آپ نے جو مساجد اور علمی ادارے قائم کیے ان کی تفصیل اس طرح ہے:

''حنفی مسجد کولمبو (سیلون)، مسجد ناگیریہ (جاپان)، سلطان مسجد (سنگاپور)، عربک یونی ورسٹی (ملایا)، دی مسلم ڈائجسٹ (ڈربن جنوبی افریقہ)، اسٹار آف اسلام (سیلون)، پاکستان نیوز (پاکستان)، اسلامک ورلڈ (یوایس اے) وغیرہ۔ (۳)

دعوتی و تبلیغی خدمات: جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ مبلغ اسلام ہونے کی وجہ سے آپ کی خدمات اس میدان میں بہت کثیر و وقیع ہیں۔ آپ کے سوانح کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو طالبِ علمی کے زمانے سے ہی تبلیغ و اشاعتِ دین، مناظرہ و مکالمہ و مذاہبِ عالم کے مطالعہ کا شوق تھا۔ علمی صلاحیت اور فطری ذہانت کا یہ عالم تھا کہ نو سال کی چھوٹی عمر میں ہی عالمانہ مباحثے کرنے لگے تھے۔ صغرسنی میں ہی والدِ محترم سے فرمایا کرتے کہ: اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو موقع دیا تو میں ہندوستان سے نکل کر دُنیا کے ہر حصے

میں اشاعتِ دین کا حق ادا کروں گا۔ قدرتِ خداوندی نے آپ کو زورِ بیان بھی خوب عطا کیا تھا۔ حلاوتِ گفتار اور لذتِ اظہار خاص طور پر ودیعت ہوئی تھی۔ اس وجہ سے آپ کی تقریر میں ایک طرح کا سحر ہوتا تھا۔ جسے سن کر ہر خاص و عام عش عش کر اُٹھتا تھا۔

آپ نے بمبئی، کرناٹک، احمد آباد اور گجرات میں دعوتی تنظیمیں قائم کیں اور ان کی ایسی خوب صورت قیادت فرمائی کہ ان علاقوں سے شدھی تحریک کا جنازہ نکل گیا۔ اور مسلمان دُنیاوی و دینی ہر دو اعتبار سے محفوظ ہو گئے۔ آپ انگریزی زبان میں بھی مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ مذاہبِ عالم اور علوم جدیدہ پر آپ کی وقیع نظر تھی جو ایک مبلغ اسلام کے لیے جزو خاص کی اہمیت رکھا کرتی ہے۔ ۱۹۲۳ء میں سیلون کے مسلمانوں کی دعوت پر وہاں تشریف لے گئے اور تبلیغ دین کا فرض انجام دیا۔ ۱۹۲۸ء میں اشاعتِ دین کی غرض سے ''کوکب اسلام'' کا اجرا عمل میں آیا۔ پھر آپ نے برما، شام، انڈونیشیا، فرانس، چین، جاپان اور سنگاپور کے تبلیغی دورے کیے۔ اور ان ممالک میں دین اسلام کی خوب اشاعت کی۔ قادیانیوں کا سدِ باب کیا۔ عیسائیوں سے مناظرے کیے۔ ملحد اور بددینیوں کو راہِ راست پر لائے۔ اس طرح تبلیغ دین حنیف فرماتے رہے۔ آپ کی ان دینی و ملی خدمات کو سراہتے ہوئے انڈونیشیا کے مسلمانوں نے آپ کو ہز، اِمی نینس His Eminence کا خطاب پیش کیا۔ آپ کے ایما و کوشش سے ہی فرانسیسی گورنر مسٹر مروارٹ نے اسلام قبول کیا۔ پاپائے روم کو بھی آپ نے دعوتِ اسلام پیش کی۔ جب آپ انگلستان پہنچے تو وہاں آپ کے خطبات سے متاثر ہو کر بہت سے انگریز مسلمان ہوئے۔ جن میں سائنس داں اور کالجوں کے پروفیسرز بھی شامل ہیں۔ آپ کی کوششوں سے جو عظیم شخصیات مشرف بہ اسلام ہوئیں ان کا ذکر محمد عبدالحکیم شرف قادری اپنی کتاب میں اس طرح کرتے ہیں:

''۱۹۵۱ء میں آپ نے پوری دُنیا کا تبلیغی دورہ کیا۔ جن میں قابلِ ذکر ممالک انگلستان، فرانس، اٹلی، برٹش گیانا، مڈغاسکر، سعودی عرب، ٹرینی ڈاڈ، امریکہ، کینیڈا، فلپائن، سنگاپور، ملیشیا، تھائی لینڈ، انڈوچائنا، چین، جاپان، موریشس، جنوبی و مشرقی افریقہ کی نوآبادیات، عراق، اردن، فلسطین، شام اور مصر کے متعدد دورے کیے۔ تمام مذاہب کے لوگوں کو دعوتِ اسلام دی اور ہر زبان میں اسلام کا لٹریچر شائع کیا۔ آپ کی تبلیغی کوششوں سے یورینو کی شہزادی گلڈس، موریشس جنوبی افریقہ کی فرانسیسی گورنر مروارٹ اور ٹرینی ڈاڈ کی ایک خاتون وزیر مشرف بہ اسلام ہوئے۔'' (۴)

اس دوران آپ نے مختلف ممالک میں مذاہبِ عالم کی کانفرنسیں منعقد کیں۔ مناظرے، مکالمے کیے۔ تبلیغی سوسائٹیاں، لائبریریاں، کالج، مدارس اور مساجد قائم کیے۔ آپ کے تبلیغی مشن اور

دعوتی کاموں سے محمد علی جناح، مراکش کے غازی عبدالکریم، مفتی اعظم سید امین الحسینی، حسن البناء، سیلون کے جسٹس ایم مرواتی، سنگاپور کے ایس این دت اور مشہور فلسفی جارج برنارڈ شا بہت متاثر ہوئے۔

آپ نے اپنا دعوتی مشن اس وقت شروع کیا جب عالمی پیمانہ پر مسلمانوں کے حالات نہایت ہی دگرگوں تھے اور کس مپرسی کے عالم میں تھے۔ مسلمانوں پر دوسرے مذاہب کے بھی حملے ہو رہے تھے اور وہ اندرونی اعتبار سے بھی مختلف حصوں میں بٹے ہوئے تھے۔ آپ نے دعوتِ ایمان دینے کے ساتھ ہی مسلمانوں کے استحکام پر بھی بھرپور توجہ دی۔ قادیانیوں کی مشنریوں کا بھی مقابلہ کیا۔ عیسائیوں اور آریہ سماجی مناظرین کو بھی شکستِ فاش دی۔ اپنے ملک میں عیسائی مشنریوں نے جن ہزارہا مسلمانوں کو عیسائی بنا لیا تھا، انہیں پھر حلقہ بگوش اسلام کیا۔ اس دوران آپ نے تقریباً اٹھارہ ہزار مسلمانوں کو جنہیں عیسائی بنالیا گیا تھا؛ انہیں از سرِ نو دین اسلام میں داخل کیا۔ آپ نے ذاتی طور پر بھی دعوتی کام کو آگے بڑھایا اور اس کے لیے مختلف تنظیموں، اداروں اور سوسائٹیوں کی بنیاد بھی ڈالی۔ جن کا ذکر کرتے ہوئے غلام مصطفیٰ رضوی رقم طراز ہیں:

''۱۹۲۸ء میں موریشس میں تنظیم ''حزب اللہ'' کی بنیاد ڈالی.....۱۹۲۹ء میں سیلون میں ''مسلم مشنری'' کی بنیاد ڈالی.....موریشس میں ''حلقۂ قادریہ اشاعتِ اسلام'' قائم فرمایا.....۱۹۳۳ء میں کولمبو کے نزدیک ''غفوریہ عربی اسکول'' قائم کیا.....۱۹۳۴ء میں ڈربن میں ''انٹرنیشنل اسلامک سروس سینٹر'' قائم کیا.....۱۹۳۶ء میں ہانگ کانگ میں ''یتیم خانے'' کی بنیاد ڈالی.....۱۹۳۹ء میں موریشس میں ''مسلم یونیٹی بورڈ اور مسلم یوتھ بریگیڈ'' قائم فرمایا.....۱۹۴۹ء میں کمیونزم کے خلاف تنظیم ''بین المذاہب'' کی تشکیل فرمائی.....اسی سال قاہرہ میں تنظیم ''بین المذاہب الاسلامیہ'' کی بنیاد رکھی.....''(۵)

جذبۂ اخلاص: اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اس کا مرتبہ حیوان و جنات تو کیا ملائکہ سے بھی افضل قرار دیا۔ اس کو کچھ ایسے وصف بھی عطا کیے جن سے اس کے اندر یہ جوہر پیدا ہو جائے جو اسے پوری کائنات میں افضل بنا دے۔ ان میں ایمان و عمل کی سربلندی کے ساتھ ہی کچھ ایسے اوصاف بھی ہیں جو انسان کے ایمان و اعمال کو مجلیٰ و مصفّٰی فرماتے ہیں۔ اور اس کو خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں قابلِ قبول بناتے ہیں۔ ان صفات میں سب سے نمایاں و اہم انسان کا جذبۂ اخلاص ہی ہے۔ کیوں کہ احکام اسلامی کی رو سے ہر عمل خواہ وہ کتنا ہی اہم و افضل کیوں نہ ہو جب تک اس میں اخلاص نیت نہ ہو، وہ بارگاہِ الٰہی میں قابلِ التفات نہیں۔ حتیٰ کہ عبادت بھی ہرگز مقام قبولیت حاصل نہیں کر سکتی جب تک اس میں اخلاص نہ ہو۔ بزرگان دین، صلحاے اُمت، صوفیاے عظام اور علماے کرام کے

حالات و واقعات میں اس کی مثالیں وافر مقدار میں نظر آتی ہیں۔ تاریخ اسلام اس طرح کے واقعات سے بھری ہے۔ مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم میرٹھی صاحب کی ذات اقدس بھی انہیں میں سے ہے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم میرٹھی کی سوانح حیات پر نظر ڈالنے پر جو بات سب سے واضح اور پختہ طور پر دیکھنے کو ملتی ہے؛ وہ ان کا جذبۂ اخلاص ہی ہے۔ کیوں کہ قرآن و حدیث، اقوالِ بزرگاں اور انسانی صفات کا مطالعہ کرنے پر اخلاص کی جو اہمیت ہم پر واضح ہوئی ہے، اس سے ہم اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں حق بہ جانب ہیں کہ اخلاص ہی انسان کو پوری طرح سے ممتاز کرتا ہے۔ اور دوسرے تمام انسانوں میں ان کا مرتبہ و مقام بلند و نمایاں کرتا ہے۔ اس اعتبار سے ہم مبلغ اسلام کی سوانح پر بھی ایک نظر ان کے جذبۂ اخلاص کو سمجھنے، دیکھنے اور اس کو منظر عام پر لانے کے مقصد سے ڈالتے ہیں۔

جیسا کہ گزشتہ سطور میں کہا جا چکا ہے کہ اخلاص کی اول شرط کوئی بھی نیک کام کو اس جذبے کے تحت انجام دینا ہے کہ اس کا مقصد صرف اور صرف رضاے الٰہی اور فلاحِ انسانی ہو۔ اس کے ذریعہ سے ذاتی مفاد، شہرت و دولت یا جاہ و منصب کا حصول نہ ہو۔ اس اعتبار سے جب ہم سیرتِ مبلغ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی کا ہر ہر لمحہ، صلاحیت و ذہانت کا ہر ہر حصہ محض حصولِ رضاے الٰہی اور تبلیغ دین ہی رہا۔ جیسا کہ ان کی اس صفت کو اجاگر کرتے ہوئے ایک اہلِ علم کا تاثر ہے کہ:

''عربی کی تعلیم مکمل کر کے طالبِ علمی کے زمانے ہی سے آپ کو تبلیغ و اشاعتِ دین، مناظرہ و مکالمہ، مذاہب عالم کے مطالعے کا شوق تھا۔ ۹ر سال کی عمر میں ذہانت و ذکاوت کا یہ عالم تھا کہ عالمانہ مباحثے کیا کرتے تھے۔ جمعہ کے دن اکثر اپنی لکھی تقریر ذہن نشین کر کے جامع مسجد میرٹھ میں سناتے تھے۔ اپنے والد بزرگوار سے اکثر کہا کرتے تھے۔ خدا نے اگر مجھ کو موقع دیا تو میں ہندوستان سے نکل کر دُنیا کے ہر حصے میں مخلصانہ طور پر اشاعتِ دین کروں گا۔''(۶)

اخلاص کی ایک اور مثال کسی بھی نیک اور فلاحی کام کے لیے اپنا وقت، سرمایہ، صلاحیت اور وسائل خرچ کرنا بھی ہے۔ اس اعتبار سے حضرت مبلغ اسلام کی حیات مبارکہ پر نظر ڈالتے ہیں تو قدم قدم پر اس کی واضح اور روشن مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مبلغ اسلام کی مبارک زندگی میں اس کی دل کش جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ دورانِ تعلیم کی مثالیں ہوں یا درس و تدریس کے واقعات، تجارت کی بات ہو یا ملازمت کا گوشہ، مناظرانہ پہلو ہو یا تبلیغ دین کا حصہ، محققانہ انداز ہو یا مصلحانہ کردار، ہر ایک گوشۂ زندگی میں آپ کے یہاں اخلاصِ نیت اور اخلاصِ عمل کے عمدہ نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کے ایک سوانح نگار رقم طراز ہیں:

''آپ امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے دستِ حق

پرست پر بیعت ہوئے اور خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے اور انہیں کے ایما وارشاد پر اپنی زندگی تبلیغ دین اور خدمتِ اسلام کے لیے وقف کر دی اور اپنے نجی خرچ پر پیغام اسلام دُنیا کے کونے کونے میں پہنچایا۔'' (۷)

اخلاص کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ دوسرے لوگ کسی کے جذبۂ اخلاص اور ایثار وقربانی کے قائل ومعترف ہو جائیں اور کھلے الفاظ میں اس کی تائید کریں۔ اس اعتبار سے بھی جب مبلغ اسلام کی زندگی پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اس کے بھی واضح نشانات ہم کو نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ ایک مرتبہ فلپائنی مندوب ڈاکٹر احمد نے جشنِ نزول قرآن کے موقع پر علمائے کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''آج ہمیں برصغیر ہندو پاک کے مشہور مبلغ مولانا عبدالعلیم صدیقی کی طرح دین کی تبلیغ و اشاعت کرنا چاہیے۔ مولانا نے فلپائن کے جزیروں میں اسلام کی تبلیغ کے لیے مدرسے، لائبریریاں اور مساجد بنوائیں اور ماہ نامے اور ہفت روزہ جریدے جاری کیے۔ ہمیں اسلام کی جو روشنی ملی ہے انہیں سے ملی ہے۔ ان کی مساعیِ جلیلہ سے ہم مسلمان ہوئے۔'' (۸)

مبلغ اسلام کی ذات اقدس جہاں ہزار ہا صفات سے متصف اور گونا گوں صلاحیتوں سے مرصع ومزین نظر آتی ہے وہیں؛ آپ بڑے سے بڑا کام محض استعانت حق اور مددِ الٰہیہ کے بھروسے کر گزرتے ہیں۔ آپ کی اسی صفت کا ذکر واعتراف کرتے ہوئے ایک بڑے اجتماع میں مسلمانانِ بمبئی کی جانب سے پیش کردہ سپاس نامہ میں کہا گیا تھا:

''ذاتی صرف زر کثیر کے ساتھ ان پاکیزہ خدمات کا انجام دینا فی الحقیقت آپ ہی کے بلند حوصلے کی ایک بیش بہا مثال ہے۔ جب ہم نے سیاست، زمین دار اور دوسرے اردو، گجراتی رسائل واخبار میں پڑھا کہ اس عظیم الشان سفر میں نہ آپ کو نام ونمود سے غرض تھی، نہ چندے کی طلب اور نہ نذرانے کی خواہش ہی تھی۔ تو حقیقت یہ ہے کہ ہماری حیرت بیش از بیش ہوگئی۔ اور سچے دل سے آپ کے حق میں دعائیں نکلیں کہ مولا تعالیٰ آپ کو مزید توفیق عطا فرمائے اور ہر طرح سے آپ کی مدد کرے۔ آمین۔'' (۹)

اخلاص کا ایک حصہ لوگوں کے دلوں سے عناد، نفرت اور بغض کو دور کرنا بھی ہے۔ اس سلسلے میں بنی نوع انسانی کو اخوت اسلامی کے خوش نما ہار میں پرونا اور ان کے اندر باہم ایک دوسرے سے محبت پیدا کرنا بھی ہے۔ اس سلسلے میں بھی آپ نے کلیدی کردار ادا کر کے اخلاصِ عمل کا عظیم الشان مظاہرہ کیا ہے۔

مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی کی ذات والا صفات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جذبۂ اخلاص ومحبت کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ اور یہی جذبہ محبت سے عقیدت کا مقام حاصل کر گیا۔ جو آپ کے پیر ومرشد اور ہادی ورہنما امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قدس سرہٗ کے

تئیں بڑے ہی تزک واحتشام کے ساتھ منظر عام پر آیا۔ چنان چہ حرمین طیبین کی زیارت سے واپسی پر آپ نے اپنے پیر ومرشد کی شانِ اقدس میں ایک طویل وعظیم قصیدہ مدحیہ پیش فرمایا۔ جسے سن کر امام اہلِ سنت نے فرمایا: ''مولانا آپ کی خدمت میں کیا پیش کروں؟ آپ دیارِ پاک سے تشریف لا رہے ہیں۔ یہ عمامہ تو آپ کے قدموں کے لائق نہیں ہے۔'' اسی واقعہ کے متعلق برصغیر کے نام ور قلم کار اور اہلِ سنت وجماعت کے متحرک قلم کار محمد عبدالحکیم شرف قادری فرماتے ہیں:

''اس واقعہ اور مذکورہ بالا قصیدہ کو غور سے پڑھیے اور دیکھیے آج کل وہ خلوص ومحبت کہاں جو ان مقدس ہستیوں کا طرۂ امتیاز تھا۔'' (۱۰)

زیر نظر مقالے میں راقم سطور نے مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالعلیم میرٹھی کے حوالے سے جو معلومات فراہم کی ہیں، ان سے جہاں موصوف کی حیات وخدمات کا تعارف حاصل ہوگا۔ وہیں ان کی تبلیغی مساعی، داعیانہ خدمات اور ان میں شامل جذبۂ اخلاص کا بھی پتا چلتا ہے۔ امید ہے قارئین کو ان سطور کے ذریعہ حضرت والا کی ذات اقدس کا تعارف میسر آئے گا اور وہ موصوف علیہ الرحمہ کی شخصیت کے مزید پہلوؤں کے مطالعہ کے خواہش مند ہوں گے۔

☆☆☆

حوالہ جات:

(۱) مضمون: خلیفۂ امام احمد رضا مبلغ اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی، غلام مصطفیٰ رضوی، مشمولہ: یادگار رضا ۱۴۲۶ھ م ۲۰۰۵ء ص ۱۵۰؛ مختصر سوانح حیات، مشمولہ: ذکر حبیب، مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی

(۲) تذکرہ اکابر اہلِ سنت (پاکستان) ناشر: فیاض بک سیلر کان پور، ص ۲۴۱-۲۴۲

(۳) مختصر سوانح حیات، مشمولہ: ذکر حبیب، مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی ص ی

(۴) تذکرہ اکابر اہلِ سنت (پاکستان) ناشر: فیاض بک سیلر کان پور، ص ۲۳۸

(۵) مضمون: خلیفۂ امام احمد رضا مبلغ اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی، غلام مصطفیٰ رضوی، مشمولہ: یادگار رضا ۱۴۲۶ھ م ۲۰۰۵ء، ص ۱۵۵

(۶) مختصر سوانح حیات، مشمولہ: ذکر حبیب، مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی ص الف

(۷) تذکرہ اکابر اہلِ سنت (پاکستان) ناشر: فیاض بک سیلر کان پور، ص ۲۳۶

(۸) روزنامہ ''جنگ'' راولپنڈی، ۳/ اکتوبر ۱۹۶۹ء، بحوالہ مبلغ اسلام محمد عبدالعلیم صدیقی، مرتب: خلیل رانا، ص ۲۱

(۹) ہفت روزہ ''القصہ'' امرتسر ۲۸/ ستمبر ۱۹۲۹ء، بحوالہ مبلغ اسلام محمد عبدالعلیم صدیقی، مرتب: خلیل رانا، ص ۳۳

(۱۰) تذکرہ اکابر اہلِ سنت (پاکستان)، ناشر: فیاض بک سیلر کان پور، ص ۲۳۷

☆☆☆

محافظِ مسلکِ رضا حافظ ملت کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت

ملت کے حافظ کے نام

محمد افروز قادری چریاکوٹی
دلاص یونی ورسٹی، کیپ ٹاؤن، جنوب افریقہ

حضور حافظ ملت ایک شخص بھی ہیں اور شخصیت ساز بھی، ایک عہد بھی اور عہد ساز بھی؛ بلکہ اگر حقیقت لگتی پوچھیں تو ان کے روحانی بیٹوں میں بھی کئی ایسے ہوگزرے ہیں جن پر شخصیت سازی اور عہد سازی بہ ہزار جان فدا ہے۔ اور خدا معلوم آنے والی صدیاں ابھی اور ایسے کتنے سپوتوں کو اپنے ماتھے کا جھومر بنانے کا فخر و اعزاز حاصل کریں گی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ فرد ایک فرد ہی ہے؛ لیکن جب وہ فرد، فردِ فرید بن جائے تو پھر اس سے ملتوں کا ظہور ہوتا ہے۔ افراد سازی کا عمل دراصل بھٹکے ہوئے آہو کو سوے حرم لے جانے کا عمل ہے۔ یہ ہر آدمی کے بس کا نہیں۔ یہ جوئے شیر نکالنے سے زیادہ مشکل اور چاول پر-قل ھواللہ- لکھنے کے آرٹ سے زیادہ گنجلک ہے۔ سنگ تراش کا فن یہ ہوتا ہے کہ وہ پتھر میں چھپے ہوئے نقش کو اُجاگر کرتا ہے۔ یہ کام بڑا کام ہے۔ شاید اسی لیے نرگس کے ہزاروں سال اپنی بے نوری پر رونے کے بعد بڑی مشکل سے چمن میں ایک دیدہ ور پیدا ہوتا ہے۔ حافظ ملت اور ابنائے حافظ ملت کی اَفراد سازی کا زندہ و تابندہ کارنامہ دیکھ کر بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے: وَفِـــــی ذٰالِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ. کہ اگر کسی کو ریس کرنا ہو تو یہ رہا میدان!، آؤ مقابلہ کر کے دکھاؤ۔ ع

صدائے عام ہے یارانِ نکتہ چیں کے لیے

حافظ ملت کو میں نے دیکھا تو نہیں، مگر سنا اور پڑھا بہت ہے۔ اپنے مطالعے کی روشنی میں مَیں نے انھیں اس دور کا جینیس پایا۔ جس جہت سے بھی انھیں دیکھا وہ مجھے طاق نظر آئے۔ اُن کے اقوالِ زرّیں کا کیا کہنا! جیسے حیاتِ راضیہ کے حقائق و دقائق نچوڑ کر آبگینۂ اقوال میں انڈیل دیا ہو۔ یہ بالکل سچ ہے کہ اِنسان کے اقوال اس کے حسن خیال کے عکاس ہوتے ہیں۔ فکر جتنی پاکیزہ ہوتی ہیں اتنے ہی شفاف خیال ان پر نازل ہوتے ہیں۔ اور پھر وہ الفاظ کے قالب میں ڈھل کر نہ صرف اَمر ہو جاتے ہیں بلکہ رنگِ عمل دینے والوں کو بھی اَمر کر جاتے ہیں۔ حسنِ خیال کے بغیر الفاظ بس ایک جلوہ ہیں، یا ایک ڈھیر ہیں ایسی اینٹوں کا جنھیں کوئی عمارت بننا نصیب نہیں ہوا۔ کہتے ہیں کہ مقدس اَلفاظ کو

منزہ زبان میسر نہ ہو تو لفظ اپنی تاثیر کھو بیٹھتا ہے۔ اقوالِ حافظ ملت- جو دراصل ان کی زندگی کے نچوڑ اور ان کی شفاف خیالی کے غماز ہیں- بہت ہی باثروت اور حیات بخش ہیں۔ کوئی جویائے حق اور طالبِ فلاح ان کے اقوال کو دلِ بینا سے پڑھ کر تو دیکھے، ان کے اقوال کے ذرّوں میں آفتابِ تاباں کی دھنک، اور آپ کے فرمودات کے قطروں میں قلزمِ موّاج کی کھنک محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ قادرِ مطلق پروردگار کی بارگاہ میں دُعا ہے کہ وہ لمحہ لمحہ ہمارا حامی و ناصر ہو اور جماعت اہلِ سنت کے محراب کو نفع رساں اور فیض بخش اماموں کے وجود سے ہمیشہ زندہ و قائم رکھے۔ آمین، یارب العالمین۔ ذیل میں حافظِ ملت کی شان میں نظم کیا ہوا ایک قصیدۂ وجیزہ بصد عجز و نیاز پیش ہے۔

آ تجھے آج میں اِک مردِ خدا سے ملواؤں
ہمسر و مثل میں جس کا بھری دُنیا میں نہ پاؤں

وہ محدث بھی ہے، حافظ بھی، مفسر بھی ہے ❁ وہ معلم بھی، مدبر بھی، مناظر بھی ہے
وہ ولی بھی ہے، ولی گر بھی ہے معمار بھی ہے ❁ اہلِ سنت کا وہی قافلہ سالار بھی ہے
وہ مزکّی و محلّی و مصفّی بھی ہے ❁ پیکرِ خُلقِ حسیں، حاملِ تقویٰ بھی ہے
مجمعِ علم و عمل، منبع اَنوار ہے وہ ❁ مجلس فقہ و تصوف کا شہر یار ہے وہ
اُس کی تحریر سے غیروں کو پسینہ آ جائے ❁ اُس کی تقریر سے بے ڈھنگوں کو جینا آ جائے
رد و اِبطال ہے ممتاز حوالہ اُس کا ❁ شخصیت سازی میں کردار نرالا اُس کا
قوم کو اُس نے عطا لاکھوں کیے لعل و گہر ❁ ہر طرف نور فشاں اُس کے ہی ہیں شمس و قمر
دَہر میں مجھ کو بتاؤ تو کوئی ایسی جگہ ❁ کہ جہاں اَبر کرم اُس کا نہ اَب تک برسا
شرق تا غرب بجا جائے ہے اُس کا ڈنکا ❁ ہو وہ اَفریقہ و ہالینڈ کہ ہو اَمریکا
اہلِ سنت و جماعت کی اُسے جاں کہیے ❁ ہاں، اُسے کشتی ملت کا نگہباں کہیے
اُس کے اَقوالِ حکیمانہ خدا بھاتے ہیں ❁ جن سے گم کردۂ رہ، راہِ خدا پاتے ہیں
کام ہے 'جامعہ اَشرفیہ' نمایاں اُس کا ❁ قوم نے نام رکھا 'حافظ ملت' اُس کا

اُس کی تربت کو خدا منبع اَنوار کرے
اُس کے بیٹوں کو خدا قافلہ سالار کرے

ماہ تابِ چرخِ بریلی: علامہ سبطین رضا خان قادری

غلام مصطفیٰ رضوی
نوری مشن- رضا لائبریری مالیگاؤں

مرکزِ علم وفن بریلی شریف کا اختصاص خدمتِ علمِ دین، احقاقِ حق، ابطالِ باطل اور حفظِ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ صدیاں گزر گئیں، بریلی کا کشورِ علم درخشاں ہے آج بھی، اس کی زمیں سے اُٹھنے والا ہر ذرّہ آفتاب و ماہ تاب بن کر چمکا۔ خانوادۂ اعلیٰ حضرت کا یہ تفرد رہا کہ اس کا ہر فرد اشاعتِ دین کے لیے سرگرمِ عمل اور شریعت کی حفاظت کے لیے پیکرِ استقامت بن کر ایمان وعمل کی فصل کو سرسبز وشاداب کرتا رہا۔

خانوادۂ اعلیٰ حضرت میں استاذِ زمن علامہ حسن رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کو عشقِ رسول، شعروسخن میں مہارت وادبی بصیرت کی وجہ سے ممتاز مقام حاصل ہے، آپ کی شاعری مسلکِ اہلِ سنت کی ترجمان اور حق کی آئینہ دار ہے، جس میں شرعی التزامات بھی ہیں اور فقہی رعایت بھی، فنی مہارت بھی ہیں اور لوازمِ شعری بھی جس سے کلام میں زور بیان اور احساسات کی چمک بڑھ گئی ہے۔ آپ کے فرزند علامہ حسنین رضا خان قادری؛ اعلیٰ حضرت کے تلمیذ وخلیفہ تھے۔ صحافی اور ادیب تھے۔ مسندِ افتا کے ساتھ درس وتدریس کی بزم کے ماہ تاب تھے۔ انھیں کے لائق وفائق فرزند تھے حضرت مفتی محمد سبطین رضا خان قادری بریلوی، جنھیں دُنیاے اہلِ سنت ''امینِ شریعت'' کے نام سے جانتی ہے۔

۹ رنومبر کی سہ پہر یہ رُوح فرسا اطلاع ملی کہ نبیرۂ استاذِ زمن حضرت امینِ شریعت رحلت فرما گئے۔ یقیں نہ آیا۔ بریلی شریف تحقیق کی۔ معلوم ہوا کہ اطلاع درست ہے..... اِمسال کئی نادرِ روزگار ہستیاں ہم سے رُخصت ہوگئیں۔ مختلف میادین میں جن کی خدمات کے اشجار بارآور ہوئے۔ حضرت مولانا ابوداؤد محمد صادق رضوی (شاگردِ رشید محدث اعظم پاکستان)، حضرت مولانا مشہود رضا خان حشمتی پیلی بھیتی، مفتی محمد یامین رضوی (شیخ الحدیث: جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس)، منصورِ ملت علامہ منصور علی خان قادری (جنرل سکریٹری: سنی جمعیۃ العلماء ممبئی)، شیخ الحدیث علامہ نصر اللہ خان افغانی، حضرت حاجی محمد اسماعیل جانی رضوی (سربراہ: دارالعلوم امام احمد رضا رتنا گری کوکن) -علیہم الرحمۃ والرضوان- ان کی رحلت سے اہلِ سنت پہلے ہی نڈھال تھے۔ ان کے جانے سے جو خلا پیدا ہوا وہ پُر بھی نہ ہوسکا کہ بریلی

شریف کے موجودہ اکابر میں نمایاں شخصیت وصالِ حق سے مشرف ہوکر ہم سے رُخصت ہوگئی۔

کچھ مدت گزری کہ آپ کے خانوادے کے دو معتبر آفتاب رُوپوش ہوئے۔ علامہ تحسین رضا خان قادری علیہ الرحمہ ایک حادثے میں منزلِ شہادت پر فائز ہوئے، علامہ مفتی حبیب رضا خان بھی رُخصت ہوگئے۔ پھر حضرت امینِ شریعت کا وصال مزید صدمات کا موجب بنا۔ آپ کی ذات بیک وقت متعدد خصوصیات کی حامل ہے۔ مختلف اعتبارات سے آپ کی علوے شان اور رتبۂ بلند سے اہلِ سنت بخوبی آگاہ ہیں۔ ان میں چند تو یہ ہیں:

[۱] آپ کی تربیت میں والد ماجد کے ساتھ خصوصی فیض حضور مفتی اعظم کا رہا ہے۔

[۲] فقہی بصیرت موروثی ہے، علم الفقہ میں مہارت وبصیرت کا یہ عالَم کہ دارالافتاء بریلی کا قدیم وقار قائم رکھنے میں آپ کا بھی عمل دخل ہے۔

[۳] تاج الشریعہ جیسی عبقری شخصیت کی نگاہ میں آپ کی ذات کو درجۂ اعتبار حاصل تھا۔

[۴] سلسلۂ قادریہ کی عظیم پیمانے پر اشاعت، صفائِ قلب ونظر کے لیے تگ ودو۔ روحانی مسائل میں رہنمائی وغیرہ۔

[۵] بنجر علاقوں میں ایمان وعمل کا صالح انقلاب بڑا کارنامہ ہے۔

[۶] شریعت پر بے پناہ استقامت وتصلب یقینی طور پر کسی کرامت سے کم نہیں۔

[۷] مصلحت کی جگہ ''استقامت'' اہم ترجیحات سے ہے۔ اعلاے کلمۃ الحق کے لیے کسی کی پروا نہ کرنا استقامت فی الدین کا عملی مظاہرہ ہے۔

[۸] صیانتِ دین کے لیے ترکِ دُنیا اور ظاہری کروفر کو خاطر میں نہ لاکر صدق وسچائی کا اظہار ہر ایک کے حصے میں کہاں! یہ وصف امینِ شریعت کا خاصہ تھا۔

[۹] جاں نثار مریدین بھی ہوں، اہلِ محبت کا ہجوم ہو، اہلِ دول ہر آن سب کچھ وارنے کو تیار ہوں؛ ایسے ماحول میں نفس کو تج دے کر شریعت کی خاطر زندگی گزارنا کسی جہاد سے کم نہیں، یہی تقویٰ آپ کا خاص وصف ہے۔

[۱۰] درس وتدریس کے ذریعے بریلی کے علمی مزاج کی برقراری، ذوقِ اشاعتِ علم دین کی تسکین بھی اہم خوبی ہے، یہی وجہ ہے کہ تلامذہ کی بڑی تعداد موجود ہے۔

آپ کے بھائی علامہ تحسین رضا خان کا بھی یہی معاملہ تھا کہ ان کی مقبولیت شہادت کے بعد دُنیا نے دیکھ لی۔ خلقت کا وہ ہجوم کہ لاکھوں دیوانہ وار موجود ہوئے۔ مقبولیت ایسی کہ کسی نہیں، وہبی تھی۔

اللہ نے دلوں میں عظمت ڈال دی۔ گویا کارکنانِ قضا وقدر سے ندا کرادی گئی کہ وصل کا جام پینے والا محبوبیت کے مقام پر فائز ہے۔ دلوں میں محبت کا دریا موج زَن کردیا۔ یہی مقبولیت حضرت امینِ شریعت کوعطا ہوئی اور آپ کی ذات چہار جانب دَمک رہی ہے۔

حضرت امین شریعت کی تقویٰ شعار زندگی دراصل دعوتِ فکروعمل ہے۔ بندہ جب آخرت کے لیے جیتا ہے اور دُنیا میں مقصدِ تخلیق کی تکمیل میں کوشاں رہتا ہے تو بلاشبہہ وہ اعلیٰ حضرت کے اس شعر کی کنہ پالیتا ہے ؎

انھیں جانا انھیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دُنیا سے مسلمان گیا

اسی کے مصداق حضرت امین شریعت کا جینا اور مرنا تھا۔ آپ نے ہمیشہ عملی جہت اپنائی۔ سنتوں کا التزام، فرائض واحکام کا اہتمام اور مصالحت وپالیسی کی جگہ حکمت وسچائی کو ترجیح دی۔ یہ فکر آپ کو اہلِ سنت کے مابین مدتوں زندہ رکھے گی۔

قرطاس وقلم سے بھی وابستگی تھی۔ خاندانی علمی خزینوں کے امین تھے۔ خانوادۂ رضا کی وراثتوں کے نقیب تھے۔ تاج الشریعہ کے مشن ''اشاعت حق وصداقت'' کے معاون تھے۔ گستاخِ رسول کے لیے کبھی مداہنت نہیں کی بلکہ آپس میں نرم خو اور باطل کے لیے حسامِ بے نیام تھے۔ اور اس شعر کے حقیقی مصداق بھی ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم گاہِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

اللہ کریم امینِ شریعت کی امانتوں کے وارث وامیں علامہ سلمان رضا خان قادری کو آپ کا صحیح جانشین ونائب بنائے۔ اور آپ کے ذریعے دین وسنیت کی بیش از بیش خدمات لے اور آپ کے توسط سے سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہو۔ اہلِ سنت بالخصوص خانوادۂ رضا کو نعم البدل دے تاکہ ''مشن'' کی طرف سفر مزید خوش گواری کے ساتھ جاری رہے۔ اللہ کریم آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور خدماتِ دینیہ کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

☆☆☆

gmrazvi92@gmail.com
Cell. 09325028586

۲۰۱۵ء میں رضا اکیڈمی ممبئی کی خدمات

۲۹؍جنوری: جشن غوث اعظم کا کھڑک اسٹریٹ میں انعقاد

۱۰؍مارچ: فلم دھرم سنکٹ میں ایکٹر کے اسلامی ٹوپی پہننے پر اعتراض اور ممبئی پولس کمشنر کو تحریری شکایت، جس کے نتیجے میں وہ ٹوپی فلم سے ہٹالی گئی۔

۱۰؍اپریل: سنی نوری اسلامک سمر کیمپ کا انعقاد

۱۷؍اپریل: ممبئی میں مساجد اور دیگر عبادت گاہوں کو تجارتی مراکز دکھانے پر شدید احتجاج

۱۲؍اپریل: یوم صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نوری محفل میں منایا گیا

۱۶؍اپریل: رضا اکیڈمی کی سالانہ میٹنگ؛ الحاج محمد سعید نوری نے کہا: خدمتِ دین کے لیے اخلاص و للّٰہیت کی ضرورت ہے۔ اور مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ کے لیے نصیحت۔

۲؍مئی: رضا اکیڈمی کی اپیل پر نیپال زلزلہ متاثرین کے لیے ریلیف جمع کی گئی

۶؍مئی: رضا اکیڈمی کا وفد نیپال پہنچا۔

۱۰؍مئی: کٹھمنڈو میں رضا اکیڈمی کی ریلیف خدمات جاری

۲۰؍مئی: مرحوم خلیل احمد صباغی صاحب کے ایصالِ ثواب کے لیے قران خوانی

۲؍جون: مودی کا مجوزہ دورۂ اسرائیل پر رضا اکیڈمی کا زبردست احتجاج، صدر جمہوریہ کو میمورنڈم روانہ

۱۵؍جون: ایڈوکیٹ جھانوی کا رحادثہ میں شہید ہونے والے ٹیکسی ڈرائیور سید محمد حسین کو رضا اکیڈمی کی جانب سے ۵۰؍ہزار کی امداد

۱۷؍جون: اعلان برائے روزگار اسکیم شروع کی گئی۔

۲۱؍جون: سعودی حکومت نے حج وعمرے کو دولت کمانے کا ذریعہ بنالیا، اس سلسلے میں رضا اکیڈمی نے ۶۱؍ممالک کو مذمتی مکتوب روانہ کیا۔

۲؍جولائی: ۱۵؍رمضان والی حدیث سے متعلق ضروری ومحققانہ وضاحت

۹؍جولائی: الحاج محمد سعید نوری صاحب کی قیادت میں رضا اکیڈمی کا وفد ناسک جیل پہنچا اور وہاں پر مسلم قیدیوں سے ملاقات کی اور امداد دی گئی۔

۲۶؍جولائی: جشن ولادت اعلیٰ حضرت نوری محفل میں منایا گیا۔

۱۷؍اگست: دہلی میں مذہب تبدیلی کرنے والے افراد سے رضا اکیڈمی کے وفد کی ملاقات، اور اسلام کی

حقانیت وصداقت کا اظہار

۵؍اگست: یوم ولادت حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں قدس سرہٗ؛ نوری محفل میں بڑے ہی تزک واحتشام کے ساتھ منایا گیا۔

۱۳؍اگست: گھر واپسی کے نام پر شرانگیزی پر رضا اکیڈمی کا وزیر داخلہ راج ناتھ سنگھ کو مکتوب روانہ۔

۱۳؍اگست: رضا اکیڈمی کے وفد نے جنتر منتر پر متاثرین سے ملاقات کی۔

۲۰؍اگست: ۶۰؍واں عرس امجدی؛ نوری محفل میں منایا گیا

۳۰؍اگست: دہلی میں اورنگ زیب عالم گیر سے مشہور روڈ کا نام تبدیل کیے جانے پر رضا اکیڈمی نے احتجاج درج کروایا۔

یکم ستمبر: ایرانی فلم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؛ پر ہندوستان میں پابند عائد کی جائے، رضا اکیڈمی کا مطالبہ

۴؍ستمبر: فلم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؛ کے خلاف رضا اکیڈمی کا میمورنڈم ایرانی کونسلیٹ کو ای میل اور پوسٹ سے روانہ

۸؍ستمبر: مسلمانوں کے جذبات سے کھلواڑ کا سلسلہ بند کیا جائے، دفتر رضا اکیڈمی میں علماے کرام کی اہم نشست

۱۰؍ستمبر: فلم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؛ کے خلاف مفتی محمود اختر صاحب کا ایک فتویٰ جاری کیا گیا۔

فلم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؛ پر پابندی کے لیے رضا اکیڈمی نے ساری دُنیا کے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کو بتایا جس میں BBC,SAUDI NEWS,ARAB NEWS, ND TV, TIMES OF INDIA شامل ہیں۔فلم میں کام کرنے والوں اور دیگر لوگوں کے تعلق سے جس میں اے آر رحمٰن بھی شامل ہے،فتویٰ حاصل کیا گیا۔

۱۹؍ستمبر: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر بنی فلم پر پابندی لگائی جائے؛ رضا اکیڈمی وعلماے کرام کے وفد نے مرکزی وزیر برائے اقلیتی امور نجمہ ہپت اللہ سے ملاقات کی۔

۲؍اکتوبر: رضا اکیڈمی نے ''یوم شہداے مکہ ومنیٰ'' منانے کی اپیل کی۔

۳؍اکتوبر: شہداے مکہ ومنیٰ کے ایصالِ ثواب کے لیے دعاؤں کا اہتمام

۷؍اکتوبر: رضا اکیڈمی وعلماے کرام وعمائدین شہر کے ایک وفد کی وزیر اعلیٰ مہاراشٹر سے ملاقات۔

۱۵؍اکتوبر: رضا اکیڈمی کے جنرل سکریٹری محمد سعید نوری صاحب کی روہیل کھنڈ یونی ورسٹی میں ''امام

احمد رضا چیئر'' کے قیام کے لیے پروفیسر وسیم بریلوی سے ملاقات۔

۱۶؍نومبر: داعش ISIS کی فرانس میں دھشت گردانہ کارروائی کے خلاف رضا اکیڈمی کا جنتر منتر پر احتجاج

۱۸؍نومبر: داعش جیسی دھشت گرد تنظیموں کے خلاف دفتر رضا اکیڈمی پر علماے اہلِ سنت کا مشترکہ بیان جاری

۲۰؍نومبر: رضا اکیڈمی کی اپیل پر علماے اہلِ سنت نے جمعہ سے قبل داعش اور اس جیسی دھشت گرد تنظیموں کے خلاف بیان کیا اور ان کی شدید مذمت کی۔

۲۰؍نومبر: ملک بھر میں سنی تنظیموں نے دھشت گردی کی مذمت میں بیان جاری کیا۔

رضا اکیڈمی نے درج ذیل کتابیں شائع کیں:

[۱] فتاویٰ بدر العلماء

[۲] بدعت کے خلاف ۱۰۰؍فتاوے

[۳] کامیابی کے راز

[۴] پندرہ رمضان کو بھیانک آواز: تحقیقی مقالہ

[۵] مقالاتِ خطیب اعظم

[۶] نزہۃ القاری فی شرح بخاری

[۷] اربعین شدت (محبوبِ ملت)

[۸] حضور مفتی اعظم کی نعتیہ شاعری

☆ عرسِ رضوی بریلی شریف میں رضا اکیڈمی نے انتہائی کم ہدیہ پر کتابوں کی اسکیم رکھی۔

☆ عرسِ قاسمی مارہرہ شریف میں بھی رضا اکیڈمی کے اسٹال سے کتابیں فراہم کی گئیں۔

☆ عرسِ حضور مفتی اعظم کی مناسبت سے بھی کتابیں کم ہدیہ میں مہیا کی گئیں۔

☆ امسال بھی امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف اور رضا اکیڈمی ممبئی کی طرف سے ''فتاویٰ مفتی اعظم'' جو سات جلدوں پر مشتمل ہے؛ کم ہدیہ میں فراہم کیا گیا۔

☆ ''فتاویٰ رضویہ'' بھی الحمد للہ کم ہدیہ میں پیش کیا جارہا ہے۔

☆ الفی قرآن کریم ترجمہ کنز الایمان مع تفسیر خزائن العرفان کی ترسیل بھی جاری ہے۔امسال کی اسکیم میں الفی کنز الایمان بھی شامل ہے۔جسے کافی پسند کیا جارہا ہے۔

☆☆☆